

حضرت

عباسؑ علیہ السلام

مُعْجَزَاتُ

مؤلفہ

محمد وحی خاں

نظامی پریس بک ڈپو  
دکن ٹریڈ اسٹریٹ، لکھنؤ

عباس نامور کے لہو سے ڈھلا ہوا  
 اب ظہی حینیت کا علم ہے کھلا ہوا  
 (جویش)

حضرت



علمِ داس

و

مُعْجَزَات

مؤلفاً

محمد وصی خان

حیدرآباد  
 مرکز تبلیغات اسلامیہ  
 کتب خانہ

۱۵/۱۲ مرزا علی اسٹریٹ، امام باڑہ روڈ، ممبئی-۹۰۰۰۰۹  
 Tel: 374 3445 Resl.: 371 1929 Fax No. 372 9641 (Attn. Haideri)



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## سوانحِ حضرت عباسؓ پر ایک نظر

۲۶ سنہ ہجری یوم شنبہ (منگل)	سن ولادت	عباسؓ	آپ کا نام
مدینہ منورہ	مقام ولادت	حضرت علیؓ	باپ کا نام
ابو الفضل۔ ابو القاسم	کنیت	فاطمہ کلابریہ	ماں کا نام
الوقت بہ	کنیت	ام البنین	ماں کی کنیت
سقا سکینہ۔ افضل شہداء	لقب	حضرت ابوطالب	دادا کا نام
علمدار العبد الصالح		فاطمہ بنت اسد	دادی کا نام
۳۴ سال چند ماہ	عمر شریف	جزم بن خالد	نانا کا نام
۱۰ محرم سنہ ۶ ہجری	سن شہادت	لیلیٰ بنت شہید	نانی کا نام
جمعة الحرام	یوم شہادت	لبابہ	زوجہ کا نام
بعد ظہر	وقت شہادت	عبد اللہ	بھائیوں کے نام
حمایت اسلام	سبب شہادت	جعفرؓ۔ عمران	
وطلب آب برائے		فضل (محمد)	لڑکوں کے نام
خانوادہ آل محمدؐ		قاسم۔ عبید اللہ	
		۴ شعبان	تاریخ ولادت



قیمت مجلد

30 روپے

ناشر

نظامی پریس بک ڈپو، وکٹوریہ اسٹریٹ لکھنؤ

فون 267964



گود میں فاطمہؑ کی بخشش امت کیلئے!  
لاش اصغر کی ہے عباسؑ علمدار کے ہاتھ  
(آغا سرور شش لکھنوی)

## فہرست مضامین

صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر
۷	اصلی اور نقلی سید کی پہچان - معجزہ نمبر ۱	۱
۸	افریقہ کے خوجہ کا بٹوہ مل گیا - معجزہ نمبر ۲	۲
۱۱	حضرت عباسؑ کے نام سے منسوب دو خیر و برکت کیلئے کامیاب عمل -	۳
۱۷	عباسؑ ابن علیؑ ایک مثالی کردار	۴
۱۳	برموقع معجزہ (احمدی)	۵
۵۵	شاعر اہلبیت جناب قیصر بارہوی کا کھویا ہوا بستہ مل گیا -	۶
۵۶	پاکستانی صحافی نے حضرت عباسؑ کی زیارت کی -	۷
۵۹	ذکر حسینؑ کی عظمت حضرت عباسؑ کی نگاہ میں -	۸
۶۲	حضرت عباسؑ کی ایک اہم مصیبت -	۹
۶۳	بجلی کے کرنٹ سے مرنے والا بچہ زندہ ہو گیا -	۱۰

صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر
۶۹	شاہ ایران موت کے منہ سے بچ گیا -	۱۱
۷۰	نمک صحرا کی ریت میں تبدیل ہو گیا -	۱۲
۷۱	جھوٹی قسم کھانے والے کو فوراً سزا مل گئی -	۱۳
۷۲	علم مبارک حضرت عباسؑ کا معجزہ -	۱۴
۷۵	ترکی فوج کے سپاہی کو اس کی گستاخی کی سزا فوراً مل گئی -	۱۵
۷۷	حملہ آوروں نے کہا بلا ڈاپے عباسؑ کو - (کراری ہندوستان کا بلوہ)	۱۶
۸۵	سونے کا طوق خود بخود گلے سے نکل کر چھت سے لگ گیا -	۱۷
۸۶	لڑکے کے کپڑے ہوئے بازوؤں کو جوڑ دیا -	۱۸
۸۸	اسحاق بن حویہ کا عبرتناک حشر -	۱۹
۹۲	ماں کی پاکدامنی پر پیٹ کے بچہ کی گواہی -	۲۰
۹۳	روضہ عباسؑ جہاں بیمار شفا یاب ہوتے ہیں -	۲۱
۹۶	حضرت عباسؑ کی حاضری کی کرامات -	۲۲
۹۷	لکھنؤ یو۔ پی (انڈیا) میں درگاہ حضرت عباسؑ کی معجزاتی تعمیر -	۲۳
۱۰۰	علم حضرت عباسؑ کے نیچے پر محمدؐ خود بخود تحریر ہو گیا	۲۴
۱۰۱	روضہ حضرت عباسؑ پر خود بخود پستول چل گیا -	۲۵
۱۰۲	جھوٹے کو فوراً سزا ملی -	۲۶
۱۰۳	روضہ عباسؑ پر ٹکی ہوئی تلوار ایک سید زکے کے پاس خود آ کر گری	۲۷
۱۰۵	آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر نے لکھنؤ میں حضرت عباسؑ کی درگاہ پر مننتی علم چڑھوایا	۲۸



صفحہ نمبر	عنوانات	پہاڑا
۱۰۷	حضرت عباسؓ نے لڑکے کے کٹے ہوئے بازو جوڑنے کے بعد قید سے بھی رہائی دلا دی۔	۲۹
۱۱۱	چلتی ریل گاڑی سے گرنے والا بچہ زندہ بچ گیا	۳۰
۱۱۲	حضرت عباسؓ نے ڈوبتے ہوئے جہاز کو بچا لیا۔	۳۱
۱۱۴	ہندو بنیے کی آنکھ ٹھیک ہو گئی۔	۳۲
۱۱۵	کانپور (یو۔ پی انڈیا) میں واقع محلہ گوالٹوٹی کی کربلا کا ایک حیرت انگیز معجزہ۔	۳۳
۱۱۷	نیپال کی ترائی میں نبیؐ کے لال کا ماتم۔	۳۴
	حضرت عباسؓ کے علم کا ٹپکا بیمار کے جسم سے لگا اور وہ ہوش میں آ گیا۔	۳۵
۱۲۱	ان کا تذکرہ بھی ضروری ہے۔ معجزہ پر معجزہ۔	۳۶
۱۲۵	بڑے امام باڑے کھارادر میں منبر رسولؐ کے پاس نصب علم حضرت عباسؓ سے پانی کی بوندیں ٹپکتی رہیں۔	۳۷
۱۲۵	جہاد احبہ گوالیار کی سواری، زبیر سہیلہ حضرت عباسؓ علیہ السلام۔	۳۸
۱۲۶	علم مبارک حضرت عباسؓ علیہ السلام پر شبیبیں نظر آنے لگیں۔	۳۹

معجزہ نمبر (۱)

## اصلی اور نقلی سید کی پہچان

یہ واقعہ ۱۹۴۷ء کا ہے اس وقت میری عمر ۹ سال کی تھی اور میں اپنے والدین کے ہمراہ زیارت سید الشہداء کے لئے عراق آیا ہوا تھا۔ ایک دن حرم حضرت عباس علیہ السلام میں اپنے والدین کے ہمراہ موجود تھا کہ حرم میں ایک دم سے شور ہوا ایک جگہ پر بہت سے لوگ جن میں حرم کے خدام بھی شامل تھے ایک عرب کو بری طرح مار رہے تھے۔ مار کھانے والے شخص کے سر پر ہراکپڑا بندھا ہوا تھا۔ یہ لوگ مارتے بھی جا رہے تھے اور اس ہرے کپڑے کو اس سے چھین بھی رہے تھے۔ جس کو یہ شخص مضبوطی سے تھامے ہوئے تھا۔ آخر میں خداموں نے اس شخص سے ہراکپڑا چھین لیا اور اس کو زبردست طریقہ سے دھکا دیکر الگ کر دیا۔ جس کی وجہ سے یہ شخص زمین پر گر گیا۔ بڑی بیتابی کے ساتھ زمین سے اٹھ کر یہ روضہ حضرت عباس علیہ السلام کی طرف دوڑا اور حرم میں داخل ہوتے ہی اس نے مرقداطہر کی جالی سے اپنے سر کو ٹکرا دیا اور زور زور سے روتے ہوئے بلند آواز میں عباسؓ عباسؓ کہتا اور اپنا سر برابر جالی سے مار رہا تھا اور کہہ رہا تھا اب میری بہت بے عزتی ہو چکی۔ آج آپ کو فیصلہ کرنا ہو گا کہ میں سید زادہ ہوں یا نہیں۔ نہیں تو میں اس وقت تک آپ کے مرقد کی جالیوں سے سر ٹکراتا رہوں گا جب تک کہ آپ



فیصلہ نہیں کر دیتے۔

اس شخص کو فریاد کرتے ہوئے کچھ دیر وقفہ گزرا ہو گا کہ اچانک حرم کے اندر ایک نظروں کو چکا چوند کر دینے والی روشنی پیدا ہوئی جس نے سب کو اچنبھے میں ڈال دیا۔ ناگاہ ایک دم مرقداطہر کی چھت سے ہرے کپڑے کا ایک ٹکڑا اس شخص کے سر پر گرا۔ حرم مبارک کے خدام اور دیگر حضرات اس عرب کی طرف دوڑے۔ کچھ معافی مانگنے لگے۔ اور بعض اسکے جسم کے کپڑے نوچنے لگے۔ جناب عباس نے معجزاتی طریقہ سے بتا دیا کہ یہ سید زادہ ہے۔ اس عرب نے خداموں کے ذریعہ اس ہرے کپڑے کو جو حضرت عباس کی طرف سے عطیہ ہوا تھا تمام حضرات میں تقسیم کر دیا ایک چھوٹا ٹکڑا میری والدہ کو بھی ملا جو اب تک میراث کے طور پر میرے پاس موجود ہے۔

## افریقہ کے خوجہ کا کھویا ہوا بٹوہ مل گیا

مجمزہ نمبر (۲)

یہ واقعہ ۱۹۵۳ء کا ہے جب میں نجف اشرف سے فارغ التحصیل ہو کر وطن عزیز واپس آنے کی تیاری کر رہا تھا۔ انہی دنوں افریقہ سے ایک خوجہ اپنے اہل خانہ کے ساتھ زیارت سید الشہداء کو آیا ہوا تھا۔ ایک دن وہ اکیلا حرم مبارک حضرت عباس علیہ السلام میں تھا کہ کسی نے اس کا بٹوہ چوری کر لیا۔ وہ اپنے اس بٹوے کی تلاش میں ادھر ادھر دیکھ رہا تھا کہ اس کی نگاہ ایک جانب فرش پر گئی وہ اس طرف گیا اور جھک کر بٹوہ اٹھانے لگا

اسی دم ایک عرب وہاں آیا اور اس نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ یہ تم کیا کرتے ہو۔ یہ بٹوہ میرا ہے۔ دونوں میں تکرار بڑھ گئی۔ لوگ جمع ہو گئے۔ اس پر لوگوں نے کہا جھگڑے کو ختم کرو اور تم دونوں الگ الگ بتاؤ کہ اس بٹوے میں کیا ہے۔ خوجہ نے کہا اس میں بینک کا ڈرافٹ پونڈ عراقی کرنسی وغیرہ ہیں۔ عرب نے کہا اس بٹوے میں میرا فوٹو اور چند دینار ہیں۔ لوگوں نے جب بٹوے کو دیکھا تو اس کے اندر عرب کا فوٹو اور دینار کے علاوہ کچھ نہ تھا۔ اس پر سب نے مل کر خوجہ کو خوب مارا اور بے عزت کر کے حرم سے نکال دیا۔

یہ خوجی زخمی حالت میں روتا ہوا نجف اشرف کی طرف پیدل روانہ ہو گیا۔ راہ میں روتا جاتا تھا اور حضرت علی علیہ السلام کا نام لے کر کہتا جاتا تھا کہ مولا آپ کے بیٹے کے روضہ پر زیارت کرنے گیا تھا۔ خود میرا بٹوہ چوری ہوا اور مجھ کو چور بنا کر بے عزتی کے ساتھ حرم سے نکال دیا گیا۔ مولا اب میں بچوں کو کیا کھلاؤں گا۔ کس طرح وطن واپس جاؤں گا۔ مولا حضرت عباس دیکھا کئے۔ ان کے حرم میں میری بے عزتی ہوتی رہی۔ وہ زور زور سے فریاد کرتا رہا۔ نجف اشرف کی طرف جا رہا تھا اس کا گزر نہر حسینی کے پاس سے ہوا تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک گھوڑا سوار نجف کی طرف سے آرہا ہے اور وہ قریب آ کر رک گیا اور اس سوار نے خوجہ سے دریافت کیا بھائی تم کو کیا پریشانی ہے اور زخمی حالت میں پیدل کہاں جا رہے ہو؟ بھائی نجف اشرف جا رہا ہوں اپنے مولا کی خدمت میں فریاد کرنے اور حضرت عباس علیہ السلام کی شکایت کرنے کہ ان کے روضہ مبارک پر میری بے عزتی ہوئی ہے۔ سوار نے کہا بھائی تم میری جیب سے بٹوہ لے لو۔ ۲۰ میل زخمی حالت میں کس طرح جاؤ گے



خوجہ نے کہا نہیں بھائی صرف اٹھانے پر اتنی مار پڑی ہے اگر جیب سے نکال لوں گا تو کیا حشر کروں گے۔ اور اب تو پولیس سے پکڑوادو گے۔ نہیں بھائی تم اپنا راستہ لوجھ کو نجف جانے دو۔ نہیں نہیں میں کچھ نہیں کہوں گا تم بٹوہ لے لو۔ اس دفعہ سوار نے بڑی عاجزی سے کہا اب اس خوجہ نے کہا اگر واقعی تم کو بٹوہ دینا ہے تو اپنے ہاتھ سے دے دو۔ اس پر سوار نے بیکی کے عالم میں بڑی مایوسی کے ساتھ کہا بھائی میرے ہاتھ تو کربلا میں شہید ہو گئے اب ہاتھ کہاں۔ یہ کہہ کر سوار نظروں سے غائب ہو گیا۔ بٹوہ نیچے زمین پر پڑا ہوا تھا۔ جس کو میں نے جھک کر اٹھالیا۔ دیکھا تو یہ واقعی میرا بٹوہ تھا اور میری ساری چیزیں اس میں اسی طرح موجود تھیں میں اسی حالت میں دوڑتا ہوا حرم حضرت عباسؑ میں واپس آیا اور زور زور سے بلند آواز میں کہہ رہا تھا لوگو! میرا بٹوہ مجھ کو مل گیا۔ مشکل کشا کے تخت جگر حضرت عباسؑ نے میرا بٹوہ مجھ کو واپس دے دیا۔ اس کے بعد اس خوجہ نے چودھری اسحاق کے مسافر خانہ میں ایک شاندار مجلس حسینؑ کا اہتمام کیا اور مجھ کو اس مجلس سے خطاب کرنے کو کہا۔ مجلس بڑی شاندار ہوئی۔ جس میں کافی لوگوں نے شرکت کی۔

حضرت عباس علیہ السلام کی معجزہ نمائی پر پریشان ہونے کی ضرورت نہیں یہ مظہر العجاب اور معجز ناما کے بیٹے ہیں جن کے باب کے تصرف میں کل کائنات ہے اسی طرح اس کے بیٹے کے تصرف میں بھی پروردگار عالم نے دنیا کی ہر چیز رکھ دی۔

بارگاہ معبود میں دست بہ دعا ہوں کہ وہ فاضل مؤلف جناب مروسی خاں کی اس عظیم قلمی کاوش کو قبول فرمائے اور انھیں دین

و مذہب کی خدمت میں زیادہ سے زیادہ توفیق مرحمت فرماتا رہے۔ امید کرتا ہوں کہ ملت کے باذوق حضرات اس کتاب سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کریں گے اور خصوصاً نسل نو کے افکار و نظریات کو اس کتاب کے ذریعہ مذہب اسلام کی جاودانی افادیت و ہمہ گیری کو سمجھنے میں بہت مدد ملے گی۔ اسی طرح منکر معجزات اور کرامات کے لئے یہ ایک کھلی ہوئی کتاب ہے وہ اس کو پڑھنے کے بعد اسلام کی ان عظیم ہستیوں پر ایمان لے آئیں گے اور یہی اس کتاب کی اشاعت کا ایک اہم ترین مقصد ہے۔

## چند وظائف منسوب بنام جناب حضرت عباسؑ

۱۔ اگر آپ لوگوں کو پریشانی لاحق ہو تو ایک نشست میں ۱۳۳ مرتبہ اس دعا کی تلاوت کیجئے پھر آپ اس عمل کا معجزہ دیکھئے۔

دعا: یا کاشف الكرب عن وجهہ الحسین اکشف کربی بحق اخ الحسین۔

مطلب :- اے امام حسین علیہ السلام کے چہرے سے سختی دور کر نیوالے میرے کرب کو حسین علیہ السلام کے بھائی عباسؑ کے حق کی قسم دور کر۔

وظیفہ کرنے والے حضرات کی خدمت اقدس میں یہ بیان کرتا چلوں کہ حضرت "عباس" کے اعداد ۱۳۳ ہیں اور اسی طرح "باب حسین" کے اعداد بھی ۱۳۳ ہیں۔

۲۔ اس طرح رزق حلال میں خیر، ترقی اور برکت کے لئے بھی جناب عباسؑ کے نام نامی اسم گرامی سے ایک وظیفہ اور تحریر کئے دیتا ہوں جس کو ہر روز نماز کے بعد پچیس دفعہ پڑھ لیا جائے۔ انشاء اللہ کچھ



ہی دنوں بعد معجزاتی طور پر آپ کو فائدہ ہوگا۔ وہ بیان نہیں کیا  
جاسکتا۔

عمل :- عباسؑ اے شہید گروہ مخالفان

دائم یقین توئی پسر شاہ انس و جان

کُنْ مظلوم ردا تو بحق برادر ہست

اے سرِ جہاد مار یہ سقائے تشنگان

۳۔ آیتہ اللہ العظمیٰ آقائے سید ہندی بحر العلوم نے اپنی عملیات کی  
کتاب میں مندرجہ ذیل ایک عظیم وظیفہ تحریر کیا ہے۔ ان کی روایت کے  
مطابق اس وظیفہ کو زعفر جن پریشانی اور مصیبت کے ایام میں تلاوت  
فرماتے تھے۔ آپ بھی اس معجزاتی وظیفہ سے فائدہ اٹھائیے۔ اس وظیفہ  
کو ایک سو تینتیس (۱۳۳) مرتبہ بعد نماز صبح پڑھنا چاہیے۔

یا والینا یا ولی اللہ اغثنی

یا قرة عین اسد اللہ اغثنی

قد جھت الی بایک اللہ اغثنی

ارھم لنبیؐ لیا اللہ اغثنی

من کان سواک ملک الجنة الناس

لاوالنا غیرک یا حضرت عباسؑ

خاکپائے اہلبیتؑ

سید محمد ذکی الاجتہادی

## جناب عباسؑ علمدار

بر موقع معجزہ (احمدی)

شہ یہ کہتے تھے بہشتی مرے بھائی عباسؑ

کون ساعت تھی جو یہ مشک اٹھائی عباسؑ

معجزہ فیض قدم سے ہے تمہارے یہ ہوا

جان بلیقیس کی خالق نے بچائی عباسؑ

میں تھی مصروف سجانے میں علم کے ٹپکے

شمع نے چادر بلیقیس جلائی عباسؑ

ایک شعلہ سا بھڑکتا تھا عنبر خانہ میں

مجھ کو آنکھوں سے نہ دیتا تھا دکھائی عباسؑ

معجزہ یہ تھا کہ شعلوں کا اثر کچھ نہ ہوا

تغزیہ خانے پر کچھ آنج نہ آئی عباسؑ

میں نے پہچان لیا جان لیا کون تھا وہ

وہ تمہیں تھے کہ جو یہ آگ بجھائی عباسؑ

لاکے تشریف مرے گھومیں نہ ٹھہرے حضرت

شکلِ زیبانہ مجھے اپنی دکھائی عباسؑ



عبّاس ابن علی ایک مثالی کردار  
مرنے جینے کا سبق سکھلا دیا عبّاس نے جن کے دم سے  
آج بھی معجزات ظاہر ہوتے ہیں

زینب کا سہارا ہیں سکینہ کی مراد  
شیر کی نبضوں کا لہو ہیں عبّاس

ولادت باسعادت: وہ دیکھئے عرب کا ریگستان ہے یہ آبادی  
جو نظر آرہی ہے مسلمانوں کی بستی مدینہ ہے  
دو آدمی جو بیٹھے آپس میں کچھ باتیں کر رہے ہیں۔ آئیے سنیں کہ کیا گفتگو  
ہے۔ ایک نے سکوت توڑتے ہوئے دوسرے سے کہا بھائی عقیل میں  
چاہتا ہوں کہ عرب کے کسی شجاع قبیلہ میں عقد کروں تاکہ اللہ تعالیٰ اس  
کے بطن سے مجھے ایک بہادر فرزند عطا کرے۔ بھیا عقیل مجھ کو اس خاص  
مقصد کے لئے ایک ایسے فرزند کی ضرورت ہے۔ عقیل نے کہا بھائی علیؑ  
میں اہل عرب کے نسب سے خوب واقف ہوں اس وقت اس مقصد کے لئے قبیلہ  
بنی کلاب میں حزام بن خالد کی صاحبزادی فاطمہ میری نظر میں ہے اگر آپ  
فرمائیں تو سلسلہ جنبانی کروں (اسرار شہادۃ آقا در بندہ طبع ایران)  
اور پھر ایک روز وہی معظمہ ہاشم کے ایک کچے مکان میں دلہن بن کر  
آگئیں۔ قدم گھر میں رکھے ہی تھے کہ اس محترمہ نے بچوں کو جمع کیا۔ کہا بچو!  
ادھر آؤ دیکھو میں تمہاری خادمہ بن کر آئی ہوں۔ تاریخ میں تو اتنا ہی ہے  
لیکن ممکن ہے یہ بھی کہا ہو کہ زینب بیٹی میں تمہارے بال سنواروں جسٹ

بیٹے اپنی خادمہ کو اشارہ کرو میں تم ہی لوگوں کے لئے خدمت کرتے  
آئی ہوں یہ بھی ممکن ہے حسین کو گود میں لے کر پیار کرتے ہوئے کہا ہو  
شہزادے آپ بہت پیارے بچے ہیں آپ ہم سے فرمائش کیا کریں۔  
اور پھر ۴ شعبان یا ۷ رجب ۶۱۰ھ کو اللہ نے اس بی بی کی گود بھر  
دی۔ ایک چاند سا بیٹا خدانے عطا کیا۔ حسین نے سنا تو آئے گود میں لیا  
پیار کیا۔ سیکھی چتون اور بازو دیکھے تو کہا یہ عبّاس ہے میرا عبّاس۔ پھر  
ہوئے تیور دیکھ کر حسین نے عبّاس کہا۔ حسن و جمال نے دنیا والوں سے  
قریبی ہاشم کہلوا یا اور ماں ام البنین کے لقب سے یاد کی جانے لگی۔ جب  
یہ چاند سا بیٹا ماں کی گود میں ذرا غوں غاں کرنے لگا حسین کو دیکھ کر ہکتا  
حسین بھائی کو گود میں لے کر بھینچ لیا کرتے۔ بچہ بھائی کی آنکھوں میں نہ جا  
کیوں کھل کھلا پڑتا اور اگر حسین چھوڑ کر جانے لگتے تو انھیں کی طرف دیکھا  
کرتا۔ یہاں تک کہ حسین نظروں سے اوجھل ہو جاتے۔

لڑکپن کا زمانہ اور گھر کے باہر کا ماحول

اس ضمن میں بس صرف ایک صحابی رسولؐ کی زندگی کے دو باب  
ملاحظہ فرمائیں آپ کو ماحول کا اور لوگوں کی ذہنی کیفیات کا اندازہ ہو  
جائے گا۔

ایک موقع پر لوگوں نے دیکھا کہ مکہ معظمہ میں رسول کریمؐ کے معزز و  
معروف صحابی حضرت ابوذر غفاری خانہ کعبہ کا دروازہ پکڑے کھڑے  
ہیں۔ لوگوں کا ہجوم ہے۔ پر شوق نگاہیں ان کی طرف لگی ہیں لوگ ان کی  
نقریر دل پذیر سننے کے مشتاق ہیں اور وہ لوگوں کو متوجہ کر کے فرما رہے  
تھے۔ "اے لوگو! جو شخص مجھے جانتا ہے سو جانتا ہے اور جو شخص مجھے نہیں



جاننا میں اس کو مطلع کرتا ہوں کہ میں ابوذر ہوں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ میرے اہلیت کی مثال کشتی نوح کی مثال ہے جو شخص اس پر سوار ہو گیا۔ اس نے نجات پائی اور جس نے منہ موڑا وہ غرق ہوا۔ (بحوالہ ینابیع المودہ۔ مصنفہ شیخ سلمان قندوزی مفتی اعظم قسطنطنیہ صفحہ ۴۱۵، ۴۱۶ طبع لاہور) اس کے علاوہ ابن عباس اور عبد اللہ ابن زبیر وغیرہ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے حال ہی میں مولانا محمد شفیع اوکاڑوی سنی حنفی نے دو جلدیں تالیف فرمائی ہیں کہ نام ہی ان کتب کا ہے۔ سفینہ نوح اور وہ دونوں جلدیں اسی حدیث شریف پر مشتمل ہیں۔ پھر بہت چلا کہ رسول اکرم کے انھیں صحابی کو حکومت وقت نے جلا وطنی کا حکم دیا ہے کہ وہ مدینہ چھوڑ دیں اور وہ مقام جو انھیں ناپسند ہے یعنی زبہ کو چلے جائیں اور خبردار کوئی ان کے ہمراہ نہ ہو اور نہ کوئی ان کو الوداع کہے۔ اگر کسی نے جرأت کی تو حکومت کے عتاب کا مستحق ہوگا۔ منادی عام ہوگئی۔ (بحوالہ کتاب الانساب بلاذری جلد ۵ صفحہ ۵۲، ۵۴۔ صحیح بخاری۔ طبقات ابن سعد جلد ۴ صفحہ ۱۴۷۔

اموی دور خلافت مولانا محمد باقر صاحب طبع کراچی صفحہ ۱۳۳ کتابوں میں تو بس اتنا ہی ہے لیکن میں کہتا ہوں اس اعلان عام کا رد عمل ہونا لازمی تھا۔ ممکن ہے لوگ گلیوں میں گھڑے ہو کر چپکے چپکے باتیں کرتے ہوں کوئی کف افسوس ملتا ہوگا کسی نے ادھر ادھر دیکھ کر کہا ہوگا۔ برا ہوا کیا زمانہ ہے۔ ابوذر اصحاب صفحہ کی ایک نمایاں شخصیت ابوذر عابد و زاہد مفتی پر سیزگار ابوذر جن کو بنا بروایت شیخ الاسلام کا لقب خود رسول عطا فرمائیں ان کے ساتھ اور یہ سلوک اور وہ وقت آگیا کہ حضرت ابوذر اپنی بیٹی کو لے کر زبہ کی سمت روانہ ہوئے بالکل قرین قیاس

ہے۔ لوگوں نے اپنے جھروکوں سے انھیں جاتے دیکھا ہوگا۔ کسی نے آنسو بہایا۔ کوئی آہ بھر کر رہ گیا اور پھر دیکھا کہ کچھ لوگ ان کو الوداع کہنے چلے آ رہے ہیں۔ آگے آگے ایک بزرگ بارش میاں قد پر جلال بڑی بڑی آنکھیں گھٹا ہوا بدن کا ندھے پر عبایہ ہیں علی ابن ابیطالب ان کے ہمراہ امام حسن، امام حسین، حضرت عمار یا سر اور جناب عقیل ابن ابی طالب بھی ہیں۔ مروان نے ان حضرات کو روکنا چاہا۔ مگر حضرت علی علیہ السلام نے کوڑے سے خبر لی اور ڈانٹ کر بھگا دیا۔

اس ماحول میں ہمارے شہزادے حضرت عباس علیہ السلام کا رد کین گزر رہا تھا۔ دن گزر رہا تھا۔ دن گزرتے گئے ابو طالب کا پوتا ابو تراب کا بیٹا پروان چڑھتا گیا۔ علی سے کمالات حرب سیکھے۔ حسن کا حسن لیا اور حسین سے صبر و ضبط کی تعلیم حاصل کی۔ ابھی مشکل گیارہ برس کا سن ہوگا کہ ذی الحجہ ۲۲ھ میں صفین کی لڑائی چھڑ گئی۔ وہ جنگ جو تاریخ میں یلۃ الحریر کے نام سے مشہور ہے جس میں صبح سے شام تک اور پھر رات بھر تلوار چلتی رہی۔ لوگوں نے اشارے سے نمازیں حالت جنگ میں ادا کیں۔ گھمان کارن پڑ رہا تھا۔ خون کے فوارے جسموں سے چھوٹ رہے تھے کہ اتنے میں دیکھا کہ ایک لڑکا بمشکل گیارہ برس کا سن تیجھی چٹون ہاتھ میں ایک طویل نیزہ لئے صفوں کو چیرتا ہوا بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ اس کی کلیں تھپی ہوئیں۔ جوتے کے بند کھیلے ہوئے اس سن میں بھی یہ رعب ہے کہ کوئی مقابلہ پر نہیں آتا اور یہ تھے حضرت عباس علیہ السلام را خود اذ ذکر العباس مصنفہ مولانا نجم الحسن صاحب کراچی صفحہ ۳۴ طبع لاہور)

وقت گزرتا گیا اور پھر اسی مدینہ میں مروان کی زبان درازی :- یہ خبر گرم ہوئی کہ حاکم شام مر گئے



ان کا بیٹا بیزید تخت نشین ہوا ہے لوگوں میں چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں۔ کسی نے کہا یہ زند مشرب ہے یہ امیر المؤمنین نہیں ہو سکتا۔ کسی نے کہا نہ صرف شراب پیتا ہے بلکہ اول درجہ کا زانی ہے۔ پھر حاکم مدینہ کے نام ایک خاص حکم آیا لوگوں کو تشویش پیدا ہوئی۔ ایک سرکاری پیادہ حملہ بنی ہاتھ میں جاتا دکھائی دیا۔ اس نے سیدنا امام حسینؑ کو گھر پر حاکم کا پیغام پہنچایا کہ حضور کو حاکم مدینہ ولید بن عقبہ بن ابوسفیان نے یاد کیا ہے، کسی اہم معاملہ میں گفتگو کرنی ہے۔ امام عالی مقام نے اس کو یہ کہہ کر رخصت کیا کہ اچھا تم چلو ہم آتے ہیں۔

امام حسین علیہ السلام جب اندر واپس تشریف لے گئے تو بہنوں نے چہرے پر تشویش کے آثار دیکھ کر حضرت زینبؑ کو ان کے گھر جا کر مطلع کیا ہوگا۔ ممکن ہے کہ جناب زینبؑ چادر سنبھالتے ہوئے خود آگئی ہوں اور بھائی سے پوچھا ہو جیسا آخر کیا بات ہے۔ یہ بھی ممکن ہے امامؑ نے بہن کی چادر دیکھی ہو۔ شام کا بازار نظروں میں گھوم گیا ہو۔ اور منہ دو سری طرف کر کے آنکھ صاف کی ہو۔ کچھ نہیں بہن حاکم نے بلایا ہے رہائے مسلمانوں یہ کیسا وقت گیا اولاد رسولؐ اور دربار میں طلب کرنا، جاؤں گا اور یقیناً جناب زینبؑ نے بھائی عباسؑ کو آواز دی ہوگی۔ عباسؑ ذرا دیکھنا بھائی کو حاکم نے بلایا ہے۔ اور حسینؑ جانا چاہتے ہیں اور میرا دل کہتا ہے کہ عباسؑ نے کہا ہوگا بہن فکر نہ کرنا میں بھی ساتھ ہوں۔

تھوڑا وقت گزر لوگوں نے دیکھا کہ حسینؑ چند جوانوں کے ہمراہ دارالامارہ پہنچے۔ دروازہ پر پہنچ کر کہا تم لوگ یہیں ٹھہرو میں اندر جاتا ہوں ممکن ہے کہ حضرت عباسؑ نے عرض کیا ہو آقا یہ غلام کس لئے آئے ہیں اور آقائے نامدار نے ارشاد فرمایا ہو کہ مجھے بلایا ہے میں جاتا ہوں۔ البتہ اگر میری آواز بلند ہو تو

تم لوگ بیشک اندر آجانا۔

امام عالی مقامؑ اندر تشریف لے گئے۔ حاکم نے کھڑے ہو کر استقبال کیا۔ پہلو میں جگہ دی ایک طرف مروان بھی بیٹھا تھا۔ یہ مروان ہے جس کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جلا وطن کر دیا تھا اور حضرت شیخین نے نہ صرف اس حکم (جلا وطنی کو) برقرار رکھا تھا۔ بلکہ فاصلہ میں اور بھی توسیع کر دی تھی۔ اور جس کو حضرت عثمان نے اپنے دور حکومت میں واپس بلا کر وزیر بنالیا تھا۔ بہر حال رات کا وقت ہر طرف سناٹا پھایا ہوا۔ قدیل روشن تھی۔ گفتگو شروع ہوئی۔

حضور آپ کو اس وقت زحمت اس لئے دی ہے کہ حاکم شام کا انتقال ہو گیا۔ اس کی آپ کو خبر ہے۔ اس کی جگہ ان کا لادلا بیٹا بیزید سربر آرائے مملکت ہوا ہے۔ یہ خط آیا ہے آپ بھی ملاحظہ فرمائیں اور اپنی رائے سے مطلع فرمائیں۔ امام حسینؑ نے خط دیکھا اس میں طلب بیعت کی تاکید تھی۔ آپ نے فرمایا یہ معاملہ بیعت کا ہے اس وقت کچھ مناسب نہیں معلوم ہوتا کل مسجد میں لوگ جمع ہوں گے اس وقت یہ موضوع کچھ زیادہ بہتر رہے گا۔ حاکم نے کہا جیسا ارشاد بجا ہے مجھے کچھ عذر نہیں۔

امام حسین علیہ السلام چلنے ہی والے تھے کہ مروان نے چپکے سے کہا کہ اگر حسینؑ اس وقت چلے گئے تو پھر کبھی ہاتھ نہ آئیں گے۔ یہ گفتگو حضرت امام علیہ السلام کے سمع ہمایوں میں پہنچی۔ آپ نے بلند آواز سے کہا اے زین زانیہ کے بیٹے تیری یہ مجال کہ فرزند رسولؐ سے اس قسم کی باتیں کرتا ہے۔ آواز کا بلند ہونا تھا کہ جوانان بنی ہاشم تلواریں سونتے ہوئے درانہ گھس آئے۔ ان آنے والوں میں سب سے آگے ایک بلند قامت جوان ہے۔ غصہ سے منہ سرخ آنکھوں سے خون ٹپک رہا ہے۔ ہاتھ میں دو دستی تلوار ہے اور یہ



اور بچوں کی ڈھارس ہو تمہارے ہوتے ہوئے کس کی مجال ہے کہ ادھر آنکھ اٹھا کر دیکھ سکے۔ تم اپنے مقام پر رہو۔

**جناب قاسمؑ** جناب قاسم ابن حسنؑ ۱۳، ۱۴ برس کا سن کرتا ہے، تلوار حائل کے میدان میں گئے شام کے مشہور پہلوان

ارزق شامی کے بیٹوں کو مارا پھر اس کو بھی واصل جہنم کیا۔ چاروں طرف سے گھیر لے گئے۔ بنی ہاشم کا یہ کسمن سپاہی چاروں طرف سے گھر کر

لڑتے رہے۔ تلوار پر تلوار پڑتی رہی لوہے کے ٹکڑوں سے چنگاریاں نکل رہی تھیں۔ دھوپ تیز تھی پسینہ میں تر بہ تر تھے۔ پیاس کی شدت تھی۔ گھوڑا

بھی ہانپ رہا تھا۔ کوئی نیزہ کا وار کرتا یہ خالی کر دیتے۔ کوئی تلوار چلاتا کبھی کو ڈھال پر روکا کسی پر حملہ کیا اور اس عالم میں کتنوں کو واصل جہنم

کیا۔ خود بھی زخمی ہوتے گئے اور خون بھی زیادہ بہہ گیا۔ گھوڑے پر سنبھلا نہ گیا۔ دشمنوں نے جو یہ عالم دیکھا حوصلے بڑھ گئے۔ قریب آکر وار کرنے لگے اور حسنؑ

کا یہ چاند شام کی فوج کے بادلوں میں گھر گیا۔ کسی کا یہ عالم کہ آواز دی یا عمامہ ادرکنی۔ اے چچا مدد کیجئے۔ حسینؑ نے یہ آواز سنی بیقرار ہو گئے عباسؑ کو ساتھ

لیا دونوں بھائی اپنے بھتیجے کی مدد کو پہنچے۔ درمیان میں فوج حائل ہو گئی۔ ایک طرف سے عباسؑ نے بڑھ کر حملہ کیا دوسرے طرف سے امام عالی مقام نے اور

فوج پیچھے ہٹ گئی۔ قاسمؑ گر چکے تھے۔ اب جو فوجیں ادھر سے ادھر ہوئیں حسنؑ کے اس لال کو زندگی ہی میں گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال کر دیا۔ جب تک ہوش

رہا آواز دیتے رہے اور بالآخر حسینؑ اور عباسؑ نے بھتیجے کے جسم کے ٹکڑے پائے۔ وقت گزر گیا۔ یہاں تک کہ حسینؑ تمہارا گئے اور عباسؑ

**رخصتِ آخریہ** سے نہ رہا گیا۔ قدموں پر سر رکھ کر کہا کہ مولا اب اجازت مرحمت فرمائیے ارشاد ہوا عباسؑ تم علمدار لشکر ہو۔ زینت لشکر ہو۔ عرض کیا

آقاب تو لشکر ہی نہ رہا۔ جس کی زینت ہوتا۔ اتنے میں بھتیجی سکینہ بنت امینؑ پر نظر پڑی۔ گود میں اٹھالیا۔ کہانی بی تم کو بہت پیاس ہے نا بیٹی میری

سفارش بابا سے کر دو۔ حسینؑ نے کہا اچھا اب اندر جا کر بہنوں سے رخصت تو لے آؤ۔ اندر تشریف لے گئے۔ نیمہ کے اندر ایک کھرام چ گیا۔ بی بی زینتؑ

نے کہا ایک روز بابا میرے بازوؤں کو بار بار بو سے دے رہے تھے میں نے سبب پوچھا تو فرمایا بیٹی تیرے بازوؤں میں رستی باندھی جائے گی۔ میں

سوچا کرتی تھی جس کا جیسا بھائی شیر دلا اور موجود ہو اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی کون دیکھ سکتا ہے کجا بازوؤں میں رسی بندھے۔ مگر بھیاب معلوم ہو

گیا کہ وہ دن آگیا۔ جاؤ عباسؑ خدا کے سپرد کیا۔ غرض سکینہ سے مشک لے کر چلے۔ کاندھے پر علم ہاتھ میں نیزہ کر میں تلوار۔

تین دن کا بھوکا پیاسا سپاہی اعزا۔ احباب بھائی بھتیجوں کا داغ اٹھائے ہوئے عباسؑ چلے۔ مشک دیکھ کر لوگ سمجھ گئے کہ دریا کا ارادہ

ہے اور یہ گھوڑا اڑائے ہوئے ساحل کی طرف بڑھتے چلے۔ لشکر یزید تلون بیخ میں حائل ہوا۔ گھمسان کارن پڑا۔ مورچہ ٹوٹ گئے۔ ہمتیں پست ہو

گئیں۔ نہر پر عباسؑ کا قبضہ ہو گیا۔ ممکن ہے بعض حضرات اس تاریخی حقیقت کو افسانہ طرازی یا خلاف عقل ہونے کا الزام دیں ان کے دوسرے

شیطانی کے ازالے کے لئے اتنا عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ہیبت بہت بڑی چیز ہے جن لوگوں کو ہندو مسلم فسادات سے سابقہ پڑ چکا ہے وہ جانتے

ہیں کہ جہاں کوئی نامی گرامی آدمی کی خبر سنی اور بھگدڑ مچ گئی۔ یہ انسانی فطرت ہے۔ یہی حال وہاں پر بھی تھا۔ حضرت عباسؑ کی شہرت جو ان مردی ساک

عرب میں پھیل چکی تھی۔ ان کی جرأت کا لوہا مانا جاتا تھا انکی تلوار کی دھاک بیٹھ چکی تھی۔ پس اگر نہر پر اس تنہا سپاہی نے قبضہ کر لیا تو اس میں تعجب کی



کیا بات ہے۔ خصوصاً جبکہ مخالفین صرف پیسے اور جاہ و حشم کے طالب تھے۔ یہاں دنیا سے دل سیر تھا۔ رضائے الہی میں نظر تھی وہاں صرف دنیا نظر میں تھی۔ پس اگر جان ہی نہ ہوتی تو جاہ و حشم کا کیا ہو گا۔ ان حالات میں عموماً دنیا کے بندے دنیا کی خاطر میدان چھوڑ کر بھاگ جایا کرتے ہیں۔

دشمنوں کو جہنم واصل کرتے ہوئے شیر خدا کے شیر نے شہادت :- نہر فرات میں گھوڑا ڈال دیا اس کی باگ ڈھیلی کر دی

کہ پانی پی لے خود بھی سخت پیاسے تھے چلو میں پانی لیا اور فوج یزید کی طرف اچھال دیا کہ دیکھو ہم تمہارے پہرے کے باوجود اپنی قوت سے فرات تم سے چھین سکتے ہیں۔ مشک بھری اور نکلنے لگے۔ بھاگا ہوا لشکر بھڑ جمع ہو گیا۔ ایک تو تھکے ہوئے دوسرے پیاسے اور چڑھائی کی طرف آنا یوں ہی مشکل ہو کر رہا ہے۔ حضرت عباسؓ ترائی سے نکلے۔ کوشش تھی کہ کسی طرح بچوں تک پانی پہنچ جائے مگر افسوس کہ ایک شخص نے کین گاہ سے داہنے ہاتھ پر وار کیا وہ ہاتھ کٹ کر گر ادا دھر بچے جمع ہو کر دیکھ رہے تھے۔ انھوں نے دیکھا علم سرنگوں ہوا مگر نتھے بچوں نے دعا مانگی کہ اللہ میاں ہمارے چچا کی خیر ہو۔ عباسؓ نے گرتے ہوئے علم کو دوسرے ہاتھ سے سنبھال لیا۔ بچوں نے علم کو بلند ہوتے دیکھا خوش ہو گئے۔ ایک ہاتھ سے علم کو سنبھالا، جنگ کریں مشک کو سنبھالیں، گھوڑے کی باگ تھا میں۔ غرض ایک ہاتھ سے کیا کریں، جب کہ ایک ہاتھ کٹ چکا تھا دشمنوں کے حوصلے بڑھ گئے۔ دور سے قریب آگئے۔ بڑھ بڑھ کر حملہ کرنے لگے۔ ناگاہ عباسؓ کا دوسرا ہاتھ بھی کٹ گیا۔ اب مشک کو دانتوں سے تھام لیا، تلوار تیر اور نیزوں کی بارش ہو رہی تھی۔ ایک تیر نے مشک کو چھیدا۔ پانی بہ گیا۔ عباسؓ کی ہمت ٹوٹ گئی۔ اب جا کر کیا کروں گا۔ گھوڑے کا رخ فوج یزید کی طرف پھیر دیا۔ ایک آہنی گرز پڑا۔

سنبھلانا گیا۔ ذرا خیال فرمائیے زمین پر کس طرح آئے ہوں گے۔ ہاتھ موجود نہ تھے کہ ٹیک دیتے۔ آواز دی کہ آقا حسینؑ میرا آخری سلام قبول ہو حسینؑ نے جب یہ آواز سنی کمر کو ہاتھوں سے پکڑے ہوئے میدان میں تشریف لائے۔ تھوڑی سی جنگ کے بعد سر ہانے پہنچ گئے دیکھا کہ برابر کا بھائی زمین پر پڑا اڑیاں رگڑ رہا ہے۔ فرط محبت سے گھوڑے سے اپنے آپ کو گرا دیا۔ سر کو گود میں رکھا۔ عباسؓ نے خواہش ظاہر کی زیارت سے محروم ہوں ایک آنکھ میں تیر پیوست ہے دوسری میں خون بھرا ہے۔ امام نے خون صاف کیا۔ عباسؓ نے وصیت کی کہ آقا میری لاش خیمے میں نہ لے جائے گا مجھے سکینہ سے شرم آتی ہے رسرعتہ المصاب صفحہ ۱۸) کچھ وقت اور گزرادفتا انقارے بجنے لگے۔ میدان جنگ میں ایک شور برپا ہوا ہر سپاہی خوشی کے نعرے لگا رہا تھا۔ کوئی نیزہ چمکا رہا تھا۔ کسی نے تلوار صاف کر کے نیام میں رکھی۔ ہر طرف گرد و غبار تھا۔ آواز گونج رہی تھی "قَدْ قَتَلَ الْحُسَيْنُ بَكْرَ بِلَاءٍ" اور حسین علیہ السلام شہید ہو گئے۔

آفتاب کو گہن لگا۔ آندھی سیاہ چلنے لگی پھر عمر سعدؓ نے جاہلیت کی روایت کے مطابق نعتوں کو پامال کرنے کا حکم دیا۔ گھوڑوں کا انتخاب ہو ان کی نعل بندی ہونے لگی۔ یہ خبر ہر ایک نے سنی۔ حُرّ کے لشکر میں چہر میگوئیاں ہوئیں چند سربر آوردہ سوار سامنے آئے تلواریں توڑے ہوئے بگڑ کر بولے ہم اپنے سردار کی یہ تو بین نہیں برداست کریں گے خبردار جو حُرّ کے لاشے کی طرف نگاہ کی۔ عمر سعدؓ نے کہا اچھا حُرّ کی لاش الگ کر لو۔ پھر تو ہر ایک کی جرأت بڑھ گئی لوگ آتے گئے اور اپنے رفقاء اعزاز احباب۔ ہم وطن۔ ہم قبیلہ لوگوں کی لاشیں اٹھانے کا مطالبہ کرتے اور اجازت ملنے پر لاش الگ کر لیتے۔ یہاں تک کہ شمر ملعون نے جس نے



امام حسین علیہ السلام کا سر جسم مبارک سے الگ کیا تھا آگے بڑھا اور خنوت سے عمر سعد ملعون کو مخاطب کر کے بولا تجھے نہیں معلوم کہ عباس میرا بھانجہ ہے پھر تو نے اس کا پاس نہ کیا اور کیونکر نعشوں کی پائٹھالی کا حکم دیا۔ اگرچہ ہوتے ہوئے عباس کی لاش پائٹھالی ہوئی تو میں ..... دنیا میں منہ دکھانے کے لائق نہ رہ ہوں گا یہ ذلت گوارا نہیں کر سکتا۔ اے حاکم تو میری رکابوں کو سونے سے بھر دے میں نے وہ کام کیا جو کسی سے نہ ہو سکا۔ لیکن خبردار جو عباس کی بے حرمتی ہوئی۔ عمر سعد ملعون نے حکم دیا کہ اچھا عباس کی لاش کو بھی الگ کر دو۔

مگر ہائے افسوس کوئی نہ تھا کہ کہتا کہ حسین ہمارے نبی کا نواسہ ہے۔ حسین اس کا نواسہ ہے جس کا ہم کلمہ پڑھتے ہیں ان کی لاش کو بھی پائٹھالی نہ کر اور اس کو بھی بچالے۔

اسلام والو واہ واہ کلمہ رسول اللہ کا  
پڑھ پڑھ کے کاٹا ہے گلا ابن رسول اللہ کا

یہ تھا ذکر اس عباس جبری کا جن کا مرتبہ ان لوگوں سے پوچھو جو ان کی زیارت سے مشرف ہو چکے ہیں۔ جہاں آئے دن معجزات ہوتے رہتے ہیں۔ جن کو اس کتاب میں بھی پیش کیا جا رہا ہے۔ حضرت عباس کے بارے میں ایک قول یہ ملتا ہے کہ حضرت عباس۔ عادل، متقی، ثقہ اور پاک طینت جواں مرد تھے۔ آپ ائمہ طاہرین کی فقہ اولاد میں ایک زبردست فقیہ تھے (تیسرا مقالہ ۱۲۸) اور یہ تو ہر شخص جانتا ہے کہ خانہٴ جنت بی بی فاطمہ زہرا نے ان کو اپنا فرزند کہا ہے (اسرار الشہادہ صفحہ ۳۰۰) سلام ہو علی کے اس دل بند عباس پر۔  
حضرت عباس نے کربلا کے میدان میں دکھایا کہ حق کا ساتھ یوں

دیے ہیں۔ یہی شمر تھا جس نے آپ کو ہر طرح سے خریدنے کی ہر ممکن کوشش کی افسری، دولت، شوکت، جاہ و چشم دوسری طرف فاتح پیاس زخم اور پھر دنیا سے رخصتی لیکن حق کے مقابلہ میں آپ نے ان سب کو ٹھکرایا۔ پیاسا رہنا گوارا کیا اپنی زوجہ کی در بدری پسند کی۔ لیکن حق کا ساتھ نہ چھوڑا ہمارے لئے ایک کامل نمونہ ہیں۔ عباس۔ آج بھی ان کی پیری دنیا کی تقدیر بدل سکتی ہے۔

## مادہ تاریخ شہادت حضرت عباس علیہ السلام

مولانا روم نے حضرت عباس علیہ السلام کی شہادت کی تاریخ لفظ 'دین' سے 'دال' کو نکال کر مرتب کی ہے۔ وہ کہتے ہیں 'سر دین را برید بے دینے'

مظفر حسین اسمیر (مرحوم) شاعر دربار و اجداد علی شاہ تاجدار اودھ نے 'سید بے ند سے تاریخ نکالی ہے۔ یا اس آرومی بہاری نے لفظ حسین سے 'ح' کو علیحدہ کر کے حروف منقوطہ سے الگ اور لفظ غیر منقوطہ سے الگ تاریخ نکالی ہے۔

اگرچہ ان میں ایک عدد کم ہے۔ لیکن بلاغت کے لحاظ سے قابل قدر ہیں۔

## حضرت عباس کی کربلا میں قربانی

ویسے تو کربلا میں ہر مجاہد نے اپنی اپنی قربانی پیش کی اور بعض نے اپنے خاندان کے تمام افراد کو قربان کر دیا۔ اجتماعی قربانی پیش کرنے والوں میں حضرت عباس کا نام سرفہرست آتا ہے۔

آپ کے حقیقی بھائیوں میں جناب عبد اللہ عمر پچیس سال جناب جعفر



عمر تیس سال اور جناب عمر ان عمر اکیس سال ان تینوں بھائیوں نے اپنے بڑے بھائیوں کے حکم پر مسکراتے ہوئے جام شہادت نوش کیا۔ اور ان تمام کے آخر میں جناب عباس نے اپنے اس حسین و جمیل اور نوجوان فرزند کو جو انتہائی عبادت گزار اور پابند تہجد تھا جس کی پیشانی پر سجدوں کے نشان تھے اپنے ہاتھوں سے کفن پہنا کر بھائی کی خدمت میں حاضر کیا۔ اور ان پر سے تین بار قربان کر کے میدان جنگ میں شہید ہونے کے لئے بھیج دیا ان صاحبزادے کا نام محمد تھا۔ اور ان سے ابو الفضل عباس کو اس قدر شدید محبت تھی کہ ایک لمحہ کو بھی خود سے جدا نہ کرتے تھے۔

## جناب عباس کا اعلیٰ کردار

حقیقت یہ ہے کہ ایک مجاہد کے بلند کردار کا اندازہ صرف میدان جنگ میں ہوتا ہے۔ کربلا کی جنگ میں تقریباً ہر فرد کو یقین ہو گیا تھا کہ اس کی شہادت یقینی ہے اور اس یقینی موت کے بعد بھی اس کے پائے استقلال میں فرق نہ آئے یہ بڑا مشکل مرحلہ ہے۔

یابا بار اس مجاہد کو امان کے موقع دیئے جائیں یا میدان جنگ سے چلے جانے کو کہا جائے اور وہ ان تمام مراعات کو ٹھکرا دے یہ بہت بڑے ظرف کی بات اور اعلیٰ کردار کا نمونہ ہے۔ تاریخ کے آئینہ میں جب ہم دیکھتے ہیں تو سرفہرست یہ واقعہ نظر آتا ہے۔ عبد اللہ ابن ابی محل جناب ام البنین کا بھتیجا تھا۔ جس کا شمار رؤسائے کوفہ میں ہوتا تھا۔ اس نے اولاد ام البنین کے لئے ابن زیاد سے فرمان کھوا کر اپنے غلام کرمان کے ہاتھوں کربلا میں جانا عباس کو بھجوا یا تھا جس کو دیکھ کر امام حسین نے بھی جناب عباس کو رخصت ہونے کی اجازت بخشی دیدی تھی۔ لیکن جناب عباس نے جو اس امان نامے

کا جواب دیا ہے وہ تاریخ کے اوراق میں ہمیشہ یادگار رہے گا۔ اپنے فرمایا۔ ہمارے ماموں زاد بھائی سے ہمارا اسلام کہہ دینا اور کہہ دینا کہ ہم کو اس امان نامہ کی ضرورت نہیں۔ امان اللہ خیر من امان ابن سمیۃ۔ یعنی ابن زیاد کی امان سے اللہ تعالیٰ کی امان کہیں زیادہ بہتر ہے۔ یہ ہے عظیم کردار کی بات۔

اس طرح آپ کو شب عاشور بھی امام عالی مقام نے ایک اور موقع دیا یعنی جس وقت امام حسین نے اپنے تمام رفقاء سے بیعت اٹھائی چراغ گل کر دیا اور عام اجازت دیدی کہ جس کا دل چاہے اس تاریکی میں چلا جائے۔ یہ لوگ صرف میری جان کے دشمن ہیں باقی کسی کے ساتھ کوئی تعرض نہ ہو گا تو اس وقت بھی جناب عباس سب سے پہلے جواب دیتے ہیں۔ "خدا ہمیں وہ روز بد نہ دکھائے کہ ہم آپ کے بعد زندہ رہیں، اگر ہم کو ستر بار بھی موت آجائے اور زندہ کئے جائیں تو ہمارا یہی جواب ہو گا، اور آپ کے تمام بھائیوں نے آپ کے اس جواب کی تائید کی۔ اسی طرح روز عاشور بھی آپ کو اس کا موقع ملا۔ اور امام عالی مقام نے یہ فرما کر کہ اگر عباس تم دشمن کے لشکر میں چلے گئے ہوتے تو زینب کے سر سے ردا اتارنے کی کسی میں جرأت نہ ہوتی لیکن جناب عباس نے اس وقت بھی عجیب جواب دیا۔

"آقا آج ہی کے دن کے لئے تو والدہ ماجدہ نے میری پرورش کی تھی اور شیر خدانے یہ وعدہ لیا تھا کہ اپنے بھائی حسین کا ساتھ نہ چھوڑنا، تو یہ ہے جناب عباس کا وہ بلند کردار جس کے باعث ان کی اپنے بھائی سے وفاداری ایک ضرب المثل بن کر رہ گئی ہے۔



## قمر بنی ہاشم کا خاندان

انسان کو بہت کچھ اپنے اسلاف اور اپنے ماحول سے ملتا ہے۔ قمر بنی ہاشم حضرت عباس کا خاندان اعلیٰ صفات سے مرصع تھا اور ان کا خاندان و ماحول شخصیت ساز تھا۔ حضرت عباس نے اپنے خاندان اور اپنے ماحول سے بہترین صفات وراثت میں پائے آپ کا پدری نسب نامہ یہ ہے :-

قمر بنی ہاشم بن امیر المومنین علی بن ابی طالب بن عبدالمطلب بن ہاشم بن مناف بن قصى بن كلاب بن مرثد بن كعب بن موسیٰ بن غالب بن فہر بن مالک بن نصر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔ شیعہ نقطہ نظر سے سلسلہ نسب کے تمام افراد موحد تھے۔ علماء قرآن مجید کی اس آیت سے استدلال کرتے ہیں۔ **وَجعلناک فی الساجدین**۔

یعنی حضرت آدم سے حضرت عبد اللہ تک جن جن صلبوں سے نور رسالت منتقل ہوتا رہا ہے وہ سب خدا پرست تھے اور اپنے وقت کے نیک انسان تھے۔ رسول خدا اور حضرت علیؑ کی کتب سیرت میں ان کے اسلاف کے عقائد اور سماجی و اخلاقی خدمات کا ذکر آتا ہے (۱) حضرت بنی ہاشم کے جد امجد حضرت ابوطالب صرف یہی نہیں کہ حضرت رسول خدا کے مربی اور چچا اور امیر المومنین کے والد ماجد تھے بلکہ اپنے ذاتی اوصاف کے لحاظ سے بھی عرب کی تاریخ میں نمایاں مقام رکھتے تھے۔ وہ مکہ کے سردار تھے۔ عقیدہ توحید انھیں حضرت ابراہیمؑ سے وراثت میں ملا تھا۔ حالانکہ مکہ حضرت ابراہیمؑ کے جادے سے دور جا پڑا تھا اور شرک کے دلدل میں پھنس گیا تھا۔ لیکن

حضرت ابوطالب نے اس کثیف و تاریک ماحول میں بھی اپنے سینہ میں توحید و عرفان کی شمع روشن رکھی اور اپنے عہد میں اسرار الہیات کے نکتہ داں تھے۔ شعر و سخن۔ خطابت و حکمت میں کوئی اس زمانے میں ان کا مثل نہ تھا حضرت عبدالمطلب کو ان کی فہم و فراست، علم و ادب اور عقیدہ و نظر پر بڑا اعتماد تھا اس لئے انھوں نے اپنی وفات کے بعد امانت الہی یعنی سردار انبیاء کی کفالت ان کے ذمہ کی۔ انھوں نے انتہائی خلوص و عقیدت سے سردار انبیاء کے عہد طفولت میں اپنے فرائض انجام دیئے اور جب اللہ نے حضرت کے سر مبارک پر ختم نبوت کا تاج رکھا تو حضرت ابوطالب نے ایک جان نثار و ماہر فوج افسر کی طرح رسول خدا کی حفاظت کی اور اپنے سیاسی معاشرتی اثر سے سردار انبیاء کو مخالفین کے ہر طرح کے گزند سے بچاتے رہے۔ وہ عرب کے پہلے شاعر اعظم تھے۔ جنھوں نے اپنی ساری کائنات نظم رسولؐ کی سیرت نگاری اور اسلام کے اعلیٰ مقاصد اور مخالفین کے حملوں سے دفاع کے لئے وقف کر دی۔ ان کا دیوان بتاتا ہے کہ عرفان کے دریا کے وہ کتنے بڑے خواص تھے اور ان کے پہلو میں کتنا بڑا دل تھا۔ عزم راسخ، ہمت بلند صبر و رفق میں ان کی حیثیت ایک کوہ گراں کی تھی قریش کی مخالفت کے طوفان انھیں جناب رسول خدا کی خدمت سے ذرا سا بھی پیچھے نہ ہٹا سکے۔ خدا پر یقین کامل اور رسول خدا کا عشق صادق اور اشاعت دین میں قربانی و ایثار کا جذبہ حضرت ابوطالب نے اپنے بعد اپنی نسل اور ہر حق پرست کے لئے وراثت میں چھوڑا۔ حضرت قمر بنی ہاشم کو اپنے دادا سے اعلیٰ ملکہ کی وراثت پوری طرح ملی۔ حضرت عباسؑ کی دادی حضرت فاطمہ بنت اسد بھی اپنے اعلیٰ صفات کی وجہ سے تاریخ اسلامی میں بڑے احترام سے یاد کی جاتی ہیں۔ حقیقی ماں کی طرح انھوں نے سردار انبیاء کی پرورش کی



اسلام کے عہد اول میں جن لوگوں نے ایمان لانے میں سبقت کی ان میں فاطمہ بنت اسد کا نام سرفہرست ہے۔ رسول خدا اپنی چچی کو ماں کا درجہ دیتے تھے۔ (۲) حضرت عباسؓ نے جیسا نامور باپ پایا اس کے مقام کے تعین میں تیرہ سو سال سے علما حدیث و تفسیر و کلام و فقہ و ادب و حکمت کو شان ہیں۔ اور ان کا سفر ابھی منزل کی تلاش میں ہے۔ عہد رسولؐ میں ان کے معصوم بچپن اور عہد جوانی کے آثار اس طرح درخشاں ہیں جیسے شب ماہ میں آسمان پر ستارے چمکتے ہیں۔ ان کی خدمات لافانی۔ ان کا علم و فضل بے مثال اور انکی قربانیاں جاودانی ہیں۔ صاحب وحی کی تعبیر ہی حضرت علیؓ کے کمالات و خدمات سی لافانی مصوری کر سکتی ہے۔ معجز بیان پیغمبر کا ارشاد ہے۔

جنگ خندق میں عمرو بن عبدود پر حضرت علیؓ کی ایک ضربت جن و انس کی عبادت کے برابر ہے یا جنگ خیبر کے متعلق حضرت نے فرمایا تھا۔

میں کل اس شخص کو علم دوں گا جو اللہ اور رسولؐ کا محبوب ہوگا وہ بغیر فتح کے میدان نہ چھوڑے گا۔ (تاریخ طبری ۲۰-۹۲) رسالت کے ایمانی دین کی خدمت اور تشریح میں حضرت علیؓ نے اتنا کام کیا ہے کہ اگر رسول خدا کے لئے آدمؑ اول کی تعبیر صحیح ہو تو حضرت علیؓ کو آدم ثانی کہنا بجا ہوگا اور اگر رسول خدا کے لئے معلم اول کا لقب اختیار کیا جائے تو حضرت علیؓ کے لئے معلم ثانی کے سوا کوئی موزوں لقب نہ ہوگا۔

(۳) حضرت عباسؓ کو اپنے بے نظیر باپ سے بہت سے صفات وراثت میں ملے ان صفات میں نمایاں تر صفات قائد کے ساتھ حیرت ناک فداکاری اور بہت مال اطاعت و جان نثاری کی کہ حضرت علیؓ جس طرح رسول خدا پر اپنی جان قربان کرنے کے لئے تیار رہتے تھے۔ حضرت عباسؓ اسی طرح امام حسینؑ کی قیادت میں اپنی زندگی کو قربان کرنا اپنی سعادت سمجھتے تھے۔

حضرت عباسؓ نے ماں بھی بڑی خوش صفات پائی۔ فاطمہ بنت حزام ابن خالد ابن ربیعہ ابن وحید ابن کعب ابن عامر ابن کلاب ابن ربیعہ ابن عامر ابن صعصعہ ابن معاویہ ابن بکر ابن ہوازن کتنا پیارا نام ہے فاطمہ اگر چہ معصومہ عالم حضرت فاطمہ زہراؑ بنت رسول خدا کی جگہ پر نہیں ہو سکتی تھی لیکن فاطمہ بنت حزام کے ساتھ حضرت رب العزت کی مرضی تھی کہ انھیں معصومہ عالم کی سیرت کی اتباع کی توفیق دی۔ اور ایک بڑے مثالی گھر میں وارد ہو کر وہ اجنبی نہیں رہیں بلکہ اس گھر کی سعادت مند رکن بن گئیں۔ حضرت عقیل سے امیر المومنینؑ نے جب اپنے عقد کے متعلق مشورہ چاہا تھا تو انھوں نے حضرت فاطمہ بنت حزام کا نام لیا اور کہا کہ عرب میں ان کے اسلاف سے زیادہ بہادر اور شہسوار کوئی دوسرا خاندان نہیں ہے۔ اس خاندان کے مشاہیر ابو درارہ عامر ابن ملک ملاعب الاسدہ اور عامر ابن طفیل ابن مالک اور عروۃ احوال ابن عقبہ ابن جعفر اور طفیل فارس قرزل وغیرہ ہیں۔ عربی تاریخ جن کی بہادری اور فراسیت سے خوب واقف ہے۔ حضرت فاطمہ بنت حزام جن کی کنیت ام البنین تھی۔ ازدواج امیر المومنینؑ میں سیدۂ عالم کے معرفت و فضل و خلوص و خدمات و شفقت و محبت و اطاعت میں مقام رکھتی تھیں۔

انھیں ۲۶ صہ میں حضرت عباسؓ کی ماں ہونے کا شرف حاصل ہوا ان کے چاروں فرزند عباس علیہ السلام، عبد اللہ، جعفر، عثمان کربلا میں کام آئے۔ حضرت ام البنینؑ کو اپنے بیٹوں کی شہادت پر فخر و ناز تھا۔ اپنے مشہور مرثیے میں ان کی بے مثال بہادری کا بڑے فخر سے ذکر کیا ہے۔

حضرت عباسؓ کو چچا بھی ایسے ملے جن کا نام عزت و وجاہت کی فہرست میں نمایاں جگہ پر ملتا ہے۔ آپ کے چچا کا نام "طالب" تھا۔ آپ کے دادا کی کنیت انھیں کے نام سے ابو طالب تھی۔ روضہ کافی مینی میں امام جعفر صادقؑ



کا ارشاد درج ہے کہ طالب بدر سے پہلے ہی اسلام کی سعادت سے سرفراز ہو چکے تھے۔ قریش ان کو اپنے ساتھ جنگ بدر میں جبر لائے۔ رسول خدا قریش کی اس شرارت سے واقف تھے آپ نے اپنی فوج کے سرداروں سے کہہ دیا تھا کہ قریش بعض بنی ہاشم اور بعض دوسرے قبائل کے لوگوں کو جبراً ساتھ لائے ہیں۔ اگر کوئی انھیں پائے تو قتل نہ کرے۔

(طبری ۱ ص ۲-۲۸۲)

بدر میں لایا جانا تاریخ بتاتی ہے۔ نہ تو وہ بدر کے مقتولین میں تھے اور نہ وطن زندہ واپس آئے۔ یہ مشہور کیا گیا کہ ان کا گھوڑا انھیں دریا میں لے کر چلا گیا اور وہ غرق ہو گئے۔ قیاس کیا جاتا ہے کہ قریش انھیں جب جبراً بدر میں لائے اور کسی طرح اپنا ہم خیال نہیں بنا سکے تو انھیں ہلاک کر دیا۔ رسول خدا کو جب معراج ہوئی اور آپ عرش تک پہنچے تو اپنے وہاں چار نور دیکھے۔ حضور فرماتے ہیں۔ میں نے پوچھا۔ پروردگار یہ کون نور ہیں۔ ارشاد باری ہوا۔ یہ بعد المطلب ہیں اور یہ ابو طالب ہیں، یہ تمہارے باپ بعد اللہ ہیں۔ اور تمہارے بھائی طالب ہیں۔ (روضة المؤمنین قال لہ) اگرچہ ہم طالب کے خاتمہ سے واقف نہیں ہیں اور ان کی زندگی کی تفصیلاً کا ورق تاریخ سے گم ہو گیا ہے۔ پھر بھی جو اشارے ملتے ہیں ان سے انکے صبر و استقامت اور قبول حق رائے کی تائید ہوتی ہے۔

دوسرے چچا حضرت عباسؓ کے جناب عقیلؓ ہیں یہ بھی اسلامی دعوت و تحریک کے آغاز ہی میں اس کے عقیدت مندوں میں شامل ہو گئے۔ اگرچہ عہد رسالتؐ میں ان کی خدمات سے تاریخ خاموش ہے۔ لیکن جناب رسول خداؐ کے ایک فقرہ سے کسی قدر یہ خلا پور ہو جاتا ہے۔

حضرتؐ نے فرمایا تھا۔ اِنِّیْ اُحِبُّکُمْ وَجِبَّتْ اَبْنِیْ

طالب ابناک (سیرۃ حلبیہ ۱ ص ۳۰۴-۲) عقیلؓ میں تم سے دوہری محبت کرتا ہوں۔ تم سے مجھے ذاتی محبت ہے اور اس لئے میں تم سے محبت کرتا ہوں کہ ابو طالبؓ تم سے محبت کرتے تھے۔ حضرت ابو طالبؓ بڑے بلند نظر انسان تھے۔ اچھے صفات ہی کسی کی جگہ ان کے دل میں بنا سکتے تھے۔ پھر اس پر جناب رسول خداؐ کی محبت کا اضافہ ان کے اعزاز و احترام کی ایک سند ہے۔ جناب رسول خداؐ کی وفات کے بعد تاریخ نے جناب عقیلؓ کو بھلا دیا۔ اور اگر وہ کبھی یاد آئے تو افترا پردازی اور بہتان کے لئے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ وہ حضرت علیؓ کے بھائی تھے۔ دشمن قلم کو اگر اطمینان ہوتا کہ وہ حضرت علیؓ کے سایہ پر تہمتیں لگائے گا اور لوگ اسے قبول کر لیں گے تو وہ اسے بھی داغدار کرنے کی کوشش کرتا۔ عقیلؓ حضرت علیؓ کے بھائی تھے ان کے دشمن کے حامی تھے۔ دشمن کی طرف سے ان کے کردار پر کچھڑا چھانے کی کوشش کرنا توقع کے خلاف نہیں تھے۔

پھر جناب عقیلؓ میں حضرت علیؓ کا صبر و ضبط نہ تھا وہ دشمن کا ترکی بہ ترکی جواب دیتے تھے۔ وہ کافی حاضر جواب تھے۔ عرب کی تاریخ سے واقف تھے اگر کوئی ان کے سامنے منہ کھولتا تو وہ اینٹ کا جواب تمہارے دیتے تھے اور اس کا اور اس کے خاندان کا پول کھول کے رکھ دیتے تھے۔ اس لئے دشمن بھی ان پر تہمتیں لگاتا۔ (نکبت البیہان صفحہ ۲۰۰) لیکن فن درایت و تنقید جھوٹ کے چہرے سے فریب کی نقاب کھینچ لیتا ہے اور جھوٹ اپنی اصلی صورت میں نظر آنے لگتا ہے۔ مثلاً امیر المؤمنینؓ کی زبانی یہ مشہور کیا گیا کہ میں بچپن ہی سے مظلوم رہا۔ عقیلؓ کی آنکھوں کو جب آشوب ہو جاتا اور ان کی آنکھ میں دوا ڈالی جاتی تو وہ کہتے کہ جب تک علیؓ کی آنکھ میں دوانہ ڈالی جائے گی میں دوانہ ڈلواؤں گا۔ مجبوراً میں لیٹ جاتا اور میری



آنکھ میں دو اڈالی جاتی۔ حالانکہ مجھے آشوب چشم کی شکایت نہ ہوتی۔ تنقید کو اس جھوٹ کو جھوٹ ثابت کرنے میں ذرا بھی فتنی منکر سے کام لینے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ معمولی تجربہ سے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ جھوٹی روایت ہے۔ تاریخ کا طالب علم جانتا ہے کہ جب حضرت علیؑ پیدا ہوئے تو اس وقت حضرت عقیلؑ کی عمر ۲۰ سال کی تھی۔ کون اتحق یہ مانے گا۔ کہ ۲۰ سال کا یہ جوان اپنی آنکھوں میں دو اڈالوانے سے انکار کرے گا۔ جب تک اپنے چھوٹے بھائی کی آنکھ میں بے ضرورت دو اڈالوانے نہ ڈالوائے۔

اس طرح واقعات کی غلط تفسیر سے ان سے غلط نتیجہ نکال لیا جاتا ہے حضرت عقیلؑ نے جناب امیر المومنینؑ سے ان کی حکومت کے زمانے میں اپنی معاشی تنگی کی بار بار شکایت کی۔ بیت المال پر تمام مسلمانوں کا حق برابر تھا ان کے علاوہ عوام میں دوسرے لوگ بھی تھے۔ بیت المال کے حصے سے ان کے مصارف پورے نہیں ہوتے تھے۔ امیر المومنینؑ کے پاس کوئی دوسرا ذریعہ نہ تھا۔ جس سے وہ ان کی معاشی مدد کرتے۔ ایک دن حضرت علیؑ نے اپنی مجبوری کے اظہار کے لئے ایک تمثیلی طریقہ اختیار کیا۔ لوہا آگ میں تپایا جب وہ آئے تو ان کے جسم کے قریب لے گئے ان کے جسم نے لوہے کی آج محسوس کی حضرت علیؑ نے اپنی ذمہ داری کو اس تمثیل کی مدد سے بیان فرمایا دنیا کی آگ کی تپش برداشت نہیں کی جا سکتی۔ میں تقسیم میں کوئی رعایت کر کے جہنم میں خدائے ذوالجلال کی جلائی ہوئی آگ کی تاب کہاں لاسکتا ہوں۔ امیر المومنینؑ سادے الفاظ میں انھیں مایوس کر سکتے تھے کہ میرے پاس بیت المال میں آپ کے حصے کے علاوہ اور کوئی وسیلہ نہیں ہے کہ میں آپ کی خدمت کر سکوں۔ لیکن امیر المومنینؑ کو اپنے گھر سے مثال قائم کرنا تھی کہ پھر کسی دوسرے کی ہمت نہ ہو کہ وہ

اپنی معاشی ابتری سے مجبور ہو کر حکومت سے اصرار کرے کہ وہ اپنی عادلانہ تقسیم سے ہٹ جائے اور اس کے ساتھ کوئی خصوصی رعایت کرے۔

جناب عقیلؑ پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ وہ امیر المومنینؑ کا ساتھ چھوڑ کر معاویہ کے ساتھ شریک ہوئے۔ حالانکہ اس روایت کی کوئی معتبر سند نہیں ہے ابن ابی الحدید کا گمان یہ ہے کہ وہ حضرت علیؑ کی زندگی میں معاویہ کے پاس نہ گئے۔ سید علی خاں نے درجات رفیعہ میں یقین کے ساتھ یہ کہا ہے کہ وہ حضرت علیؑ کی زندگی میں ہرگز معاویہ کے پاس نہیں گئے۔ امیر المومنینؑ کی شہادت کے بعد جیسے دوسرے لوگ مختلف ضرورتوں میں شام جاتے تھے۔ جناب عقیلؑ بھی گئے انھوں نے شام کے دربار میں اموی حکومت کو کبھی نہ سراہا۔ بلکہ جب موقع آتا اس پر اعتراضات کی بوجھار کرتے اور حضرت علیؑ کے حق میں حمایت کرتے (عقد فرید ۱۴۴-۱۴۳) حضرت عباسؑ نے اپنے چچا عقیلؑ کی حاضر جوابی و جرأت و دلیری کی وراثت پائی۔ حضرت عباسؑ کے ممتاز ترین چچاؤں میں حضرت جعفر طیارؑ تھے۔ وہ رسول خداؐ سے صورت و سیرت میں مشابہت تھے۔ ۷۰ میں عمرہ الفقہاء کے موقع پر کہ میں ایک واقعہ کے سلسلے میں حضرت جعفرؑ کے متعلق سرور انبیاءؑ کی زبان مبارک پر یہ فقرہ آیا تھا۔ "اشبھت خلقی وخلقی" تم مجھ سے صورت و سیرت میں مشابہت ہو۔ (حجاری ۲-۵۰) بعثت رسولؐ کے فوراً بعد جو تاریخی نمازِ جماعت قائم ہوئی اس کے ارکان میں حضرت جعفرؑ بھی تھے۔ وہ ان کی زندگی میں اسلام کے سرفروش فدائی تھے۔ بعثت کے پانچویں سال جب مکہ میں کرب و مسلمانوں کو سانس لینا دشوار ہو گیا، اور ترک وطن کے سوا عقیدہ کی حفاظت کی تمام راہیں ان پر بند ہو گئیں اور



حبش ہجرت کرنے کی تجویز ان کے سامنے آئی تو حضرت جعفرؓ نے اس موقع پر اپنی یادگار قربانی سے تاریخ میں اپنی نمایاں جگہ بنالی۔ حالانکہ وہ خود اپنے قبیلے کی حفاظت میں تھے اپنے باپ کی رفاقت بھی انھیں عزیز تھی۔ لیکن بے سہارا مسلمانوں کو ہجرت سے پہلے پہل سابقہ تھا۔ انھیں انجام معلوم نہ تھا اس لئے ایک ایسے قائد کی انھیں ضرورت تھی جو مصائب اور دشواریوں کا خندہ پیشانی سے سامنا کرے اور اس کی فکر گرہ کشا ہو۔ حضرت جعفرؓ نے انتہائی ایثار سے کام لیا اپنے خاندان اور وطن کو چھوڑ کر ہاجرین کے ساتھ حبش چلے گئے۔ نجاشی شاہ حبش ان کی یادگار تقریر سے شدت سے متاثر ہوا۔ انکی حبش کی تقریر پر تاریخ اسلام کو فخر ہے۔ سیرت و تاریخ کی کتابیں اسے اپنا سرمایہ شرف قرار دے کر برابر نقل کرتی چلی آرہی ہیں۔ کافی مدت تک حضرت جعفرؓ وطن سے باہر رہے اس عرصہ میں عالم مسافت میں انھیں اپنے پیارے باپ کی خبر کا صدمہ بھی دل پر اٹھانا پڑا۔ جب خیبر فتح ہو گیا تو وہ حبش سے مدینہ تشریف لائے اور رسول خداؐ کے دہن مبارک سے یہ معنی خیر فقرہ سنا گیا۔ ”میں طے نہیں کر پاتا کہ کس بات پر زیادہ خوش ہوں۔ جعفرؓ کی واپسی پر یا خیبر کی فتح پر“ پھر حضرت نے اعتراف مقام کے طور پر انھیں ناز مخصوص کی واپسی فرمائی۔ جو ناز جعفرؓ طیار کے نام سے مشہور ہے۔ (جمال الاسبوع) انکی زندگی کا آخری واقعہ جس نے ان کی یاد کو لافانی بنا دیا۔ ”جنگ موتہ“ میں ان کی شہادت ہے۔

جنگ موتہ میں فوج بھیجی گئی تھی اس کے افسر اعلیٰ حضرت جعفرؓ قرار دیئے گئے۔ اور یہ ترتیب قرار پائی تھی کہ اگر حضرت جعفرؓ شہید ہو جائیں تو فوج کی قیادت زید بن حارثہ سے متعلق کی جائے اور اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو عبد اللہ بن رواحہ فوج کے امیر مقرر ہو جائیں۔ (تاریخ یعقوب ص ۶۷)

مناقب ابن شہر آشوب ج ۱۔ ص ۱۴۲) حضرت جعفرؓ نے بڑی آن بان سے دشمن کا مقابلہ کیا۔ دشمن نے ان کے دونوں بازو کاٹ دیئے۔ جب تک جسم میں جان باقی رہی انھوں نے اسلامی جھنڈے کو سرنگوں نہیں ہونے دیا اسلامی تاریخ میں اس سرفروشی اور شہادت کی دھوم مچی ہوئی ہے۔ حضرت جعفرؓ طیار کا مقام امیر المؤمنینؑ کے سوا اپنے بھائیوں میں بہت بلند ہو گیا۔ حالانکہ جناب عقیل ان کی شہادت کے بعد عرصہ تک زندہ رہے لیکن حضرت جعفرؓ کے تقدس اور ان کی بزرگی تک وہ نہیں پہنچ سکے۔ حضرت جعفرؓ کی حیثیت اسلامی تاریخ کے ہیرو کی ہے۔

حضرت مسلمؓ ابن عقیلؓ نے کوفہ میں اپنی یادگار شہادت سے اپنے باپ کا نام چمکا دیا اور ان کے شرف میں اضافہ کیا۔ حضرت عباسؓ کو حضرت جعفرؓ طیار کی وراثت میں کافی حصہ ملا۔ دونوں کی شہادتیں بہت ملتی جلتی ہیں دونوں کی حیرت انگیز جرأت و وفاداری میں بہت زیادہ مماثلت ہے۔

جب حضرت عباسؓ کے اسلاف کا ذکر چھڑا ہوا ہے اور ان کے اعمال کی وراثت بیان ہو رہی ہے۔ حضرت عباسؓ کی پھوپھی جناب ام ہانی کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ آپ کا شمار ان لوگوں میں ہے جنھوں نے اسلام کے قبول کرنے میں سبقت کا شرف حاصل کیا تھا۔ بعثت کے تین سال بعد جب رسول خداؐ کو معراج ہوئی تو آپ کا نزول ام ہانی ہی کے گھر میں ہوا۔ آپ نے پہلے معراج کا ذکر انھیں سے کیا اور انھوں نے اس خبر کی تصدیق کی۔



## حضرت عباسؓ کے بھائی بہن

۱۔ حضرت عباسؓ کے سترہ بھائی اور اٹھارہ بہنیں تھیں۔ (طبری) ۶-۸  
 بھائیوں میں امام حسنؓ و حسینؓ اور محسنؓ یہ تینوں خاتونِ جنت کے بطن سے  
 تھے۔ محمد بن حنفیہ کی ماں خولہ تھیں۔ حضرت ام البنین سے چار فرزند تھے  
 حضرت عباس و عبد اللہ، جعفر و عثمان، عمر اطراف و عباس اصغر صہبا کے  
 بطن سے تھے۔ محمد اصغر کی ماں امامہ بنت ابی العاص تھیں۔ یحییٰ اور عون  
 کی ماں اسماء بنت جمیس تھیں۔ عبد اللہ و ابو بکر کی ماں لیلیٰ بنت مسعود تھیں  
 محمد اوسط کی ماں ام ولد تھیں۔ (طبری ج ۶- ص ۶۹) اس میں عبد اللہ اصغر  
 کا ذکر نہیں ہے، محسن کا چھ مہینہ کا حمل گر گیا باقی اور بھائیوں کے ساتھ معاشر  
 کا موقع حضرت عباسؓ کو ملا۔

حضرت امام حسنؓ و حسینؓ کے مقام سے کم و بیش ہر مکتب خیال کے  
 تاریخ سے دل چسپی رکھنے والے واقف ہیں۔ حضرت امیر المومنینؓ کے حضرت  
 عباسؓ کی سیرت پر جن لوگوں کا اثر ہے ان میں سرفہرست امام حسنؓ و حسینؓ  
 کے اسماء گرامی ہیں یہ دونوں بھائی حضرت کے شعور و احساسات پر چھٹا  
 ہوئے تھے۔ اور ان کے لئے معیاری و مثالی انسان تھے ان کی اطاعت  
 و فرمانبرداری حضرت عباسؓ کی نظر میں بڑی سعادت و عزت تھی۔ بھائیوں  
 کے چشم و ابرو پر ان کی نگاہیں رہتی تھیں۔ ان کا ذہن ان کے اشارات کو  
 سمجھنے کے لئے تیار رہتا تھا۔ وہ ان دونوں کو اپنے باپ کی جگہ پر سمجھتے۔ بھائی  
 سے زیادہ وہ انھیں امام معصوم کی حیثیت دیتے۔ لفظی حیثیت سے اس کی  
 کوئی اصلیت نہیں ہے کہ انھوں نے کبھی بھائی نہیں کہا۔ وہ آخر وقت تک

اپنے کو ان کا غلام کہتے رہے۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ وہ ان دونوں کو بھائی  
 سے زیادہ واجب الطاعت امام کی نظر سے دیکھتے تھے۔ ان کے سامنے  
 فروتنی، خاکساری ان کی پیروی و اتباع اس سے کہیں زیادہ تھی جو ایک  
 سلیم الطبع و سعید چھوٹا بھائی بڑے بھائیوں کی کر سکتا ہے۔ نہایت صاف  
 طور پر محسوس ہوتا کہ ان کی نظر میں اخوت و امامت کے دو پلوں میں امامت  
 کا پلہ وزنی ہے۔ یہ دونوں بھائی بھی ان سے اولاد سے کسی طرح کم محبت نہیں  
 کرتے تھے۔ ان کی سعادت و خلوص و وفاداری کے گہرے نقوش ان کے  
 دلوں پر مرقوم تھے۔ ان دونوں بھائیوں کے علاوہ دوسرے بھائیوں میں  
 محمد بن حنفیہ خاص شہرت کے مالک تھے۔ محمد بن حنفیہ کی ولادت ۳۸ھ میں  
 ہوئی۔ (دنیہ ابن کثیر ۳۹۱ یا ۳۸۲ھ میں ہوئی)۔ (ابن خلکان) اولاد امیر المومنینؓ  
 میں امام حسنؓ و حسینؓ کے بعد محمد بن حنفیہ علم و عرفان میں نمایاں امتیاز رکھتے  
 تھے۔ تاریخ و ادب کی کتابوں میں ان کے علم و عرفان کے بیان نے کافی صفحات  
 گھیر لئے ہیں۔ حضرت امیر المومنینؓ ان کی علمی استعداد اور دینی عزت پر  
 اعتماد رکھتے تھے۔ حضرت فرماتے تھے ”مجاہدہ“ کو انکار ہے کہ اللہ کی نافرمانی  
 کی جائے۔ مجاہدہ سے مراد محمد بن حنفیہ، محمد بن جعفر طیار و محمد بن ابی حذیفہ  
 ابن عتبہ بن ربیعہ تھے (رجال کشی ۱۱۴) علم و فضل و شجاعت و جرأت سے انھیں  
 کافی حصہ ملا تھا۔ جنگ جمل میں حضرت علیؓ کی طرف سے دفاع میں ان کے  
 بازو کی طاقت مسلم ہو گئی تھی۔ جنگ صفین میں ان کی تقریروں نے دشمن اور  
 دوست سب ان کے خطیبانہ اقتدار کا اعتراف کر لیا تھا۔ کچھ تو اس لئے کہ  
 ان کی صحت اس قابل نہ تھی کہ وہ جنگ میں حصہ لے سکتے اور کچھ اس لئے  
 کہ امام حسینؓ کی طرف سے مدینہ میں وہ قیام پر مامور تھے۔ کربلا میں شہادت  
 کی سعادت نہ حاصل کر سکے (اجوبہ مسائل بہائیانہ علامہ حل مقل محمد بن ابی طالب)



حضرت محمد حنفیہ کے سامنے سے تاریخ کے بڑے اہم دور گزرے انہوں نے کافی عمر پائی وہ ایک ذہین و صاف معرفت بزرگ تھے ان کی زندگی کا تذکرہ تاریخ میں بہت ہے۔ پھر بھی تقدس و احترام میں وہ حضرت عباس علیہ السلام کا درجہ نہ پاسکے۔

حضرت عباسؓ کے بھائیوں کی فہرست میں محمد بن حنفیہ کا نام آثار و افکار کے نام سے کافی پر ثروت ہے۔

حضرت عباسؓ کے بھائیوں کی فہرست میں عمر اطراف کی تاریخ کافی اہم اور تاریکی میں ہے۔ کچھ لوگ عمر اطراف کو حضرت عباسؓ سے بڑا کہتے ہیں۔ داؤدی کا خیال ہے کہ یہ حضرت علیؓ کی آخری اولاد ہیں (عمدۃ الطالب ۲۵۴)۔

واقعہ کربلا میں ان کی شرکت نہیں ہو سکی۔ جن لوگوں نے ان کا شمار شہدا کربلا میں کیا ہے انھیں وہم ہو گیا ہے۔ دنیوری سے یہ غلطی ہو گئی ہے کہ مصعب اور مختار کے درمیان جنگ میں ان کو مصعب کی فوج میں دکھایا گیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ مصعب کی فوج میں شریک تھے۔ فریق مخالف نے انھیں قتل کر دیا۔ (اخبار طوال ۲۹۷)

یافعی نے ان کو مختار کی فوج میں دکھایا ہے۔ بلکہ شہیدوں کی صف میں دکھایا ہے۔ (مرآة الجنان یافعی ۱-۱۴۳)

عبید اللہ ابن ہبشلیہ کربلا میں شرکت سے محروم رہے ان کی زندگی کے واقعات بھی اندھیرے میں ہیں۔ ابو بکر ابن لیلیٰ بنت مسعود ہبشلیہ کا نام شہدائے کربلا میں آتا ہے ابن جریر کو ان کے قتل ہونے میں شک ہے۔

شیخ عباس قمی نفس مہوم (۱-۱۷۳) میں ظاہر کرتے ہیں کہ یہ کربلا میں قتل ہو گئے۔ البتہ ان کے قاتل کا نام معلوم نہیں ہو سکا۔ محمد اوسط جن کی ماں ام ولد تھیں کربلا میں شرف شہادت سے سرفراز ہوئے۔ (ابن کثیر ۴-۲۱)

عبد اللہ و جعفر اور عمران نے بھی شہادت کا شرف پایا۔ عباسؓ، اصغرؓ کی وفات غالباً امیر المؤمنین کے زمانہ ہی میں ہو گئی تھی۔

(۲) حضرت عباسؓ کی اٹھارہ بہنوں میں کچھ تو حضرت علیؓ کے زمانے ہی میں وفات پا چکی تھیں۔ جیسے زینب، صفری، حماز، امامہ، ام سلمہ، رملہ، صفری، (مناقب ابن شہر آشوب ۲-۷۶) اور کچھ کی وفات امیر المؤمنین کے بعد ہوئی۔ مگر ان کی شادیاں نہیں ہوئیں۔ جن کی شادیاں ہوئیں ان میں نمایاں تر حضرت زینب کبریٰ ہیں۔ حضرت زینب کی شادی عبد اللہ ابن جعفر سے ہوئی۔ رقیہ کی شادی حضرت مسلم ابن عقیل سے ہوئی۔ فاطمہ کی شادی ابو سعید ابن عقیل سے ہوئی۔ ام بانی کی شادی عبد اللہ اکبر ابن عقیل سے ہوئی۔ ام الحسن کی شادی حماد ابن ہیرہ مخرومی سے ہوئی۔ اناہ کی شادی صلح ابن عبد اللہ ابن نوفل ابن حلوت مطلبی سے ہوئی۔

جناب زینبؓ حضرت عباسؓ کی وہ بہن تھیں جن پر کل بنی ہاشم و عرب بلکہ دنیا کے انسانیت کو فخر ہے۔ تحریک کربلا میں انہوں نے امام حسینؓ کا پورا پورا ساتھ دیا۔ حضرت کی زندگی میں بڑے صبر و ثبات سے ان کے اشاروں پر چلتی رہیں۔ حضرت کی شہادت کے بعد ایسروں کی قیادت کا بار ان پر آپڑا۔ سید سجادؓ بیماری اور دوسرے معالج کی بنا پر وہ زیادہ تر خاموش رہے۔ خاتون کربلا دختر زہراؓ نے تمام روح فرسا موقع پر نہایت حکمت و بصیرت سے کام لیا۔ بازار کو فود دربار زیاد اور بازار شام و دربار یزید میں ان کی انقلاب انگیز تقریروں کی تلخی دشمن کی کان و دہن آج تک محسوس کر رہا ہے۔

یہ وہ نام تھے جن میں بعض طبقہ حضرت عباسؓ کے اسلاف اور بعض کم و بیش آپ کے ہم عمر تھے یہ آپ کے بھائی نہیں تھے۔ ان لوگوں میں آپس



میں صفات کا تبادلہ ہوا۔ اب سرسری طور پر آپ کی نسل کا بھی ذکر کرتے ہیں جس سے کچھ اندازہ ہو سکے گا کہ حضرت عباسؑ سے ان کو کیا وراثت صفات ملی۔ حضرت عباسؑ کی پانچ اولادیں تھیں۔ عبید اللہ، فضل (ناسخ) و حسن (معارف ابن قتیبہ) و قاسم اور دو بیٹیاں، ابن شہر آشوب نے کربلا کے شہیدوں میں حضرت عباسؑ کے ایک بیٹے محمد کا نام لیا ہے۔ عبید اللہ و فضل کی ماں لبانہ بنت عبید اللہ بن عباسؑ ابن عبد المطلب تھیں۔ حضرت عباسؑ کی شہادت کے بعد حسنؑ ابن امیر المومنین نے عقد کر لیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ ان سے نفیسہ پیدا ہوئیں۔ (تذکرہ خواص الامہ ۳۲۳)

حضرت عباسؑ کی نسل صرف عبید سے چلی۔ بعض حسنؑ ابن عباسؑ کی نسل کا بھی جاری رہنا بتاتے ہیں۔ عبید اللہ ابن عباسؑ نے علم و فضل میں مقام عالی پایا۔ حسن و جمال و مروت میں بھی ان کا نام لیا جاتا ہے۔ ۵۵ھ میں ان کی وفات ہوئی ان کی تین بیویاں تھیں۔ رقیہ بنت حسنؑ ابن علیؑ و بنت معبد بن عبد اللہ ابن عبد المطلب بنت مسور بن محترمہ زہری (ذخیرۃ الدارین) حضرت عباسؑ کی وفا و قربانی کی داد ائمہ اہلبیتؑ کی مجلس میں عرصہ تک دی جاتی رہی۔

عبید اللہ ابن عباسؑ کو جیسے امام زین العابدینؑ دیکھتے آپ کی آنکھوں سے آنسو چھٹک اٹھتے کوئی رونے کا سبب پوچھتا تو فرماتے ان کو دیکھ کر کربلا میں چچا عباسؑ کی قربانی یاد آجاتی ہے اور میں بیتاب ہو جاتا ہوں۔ عبید اللہ کی نسل میں فقہاء و محدثین و محققین پیدا ہوتے رہے۔ کتنا حسین ہے وہ کردار جس کی یاد سے اس کے سر بر آوری و نمایا اسلاف کی یاد تازہ ہو جاتی ہے اور وہ اپنے تاریخی فخر و شرف میں اپنے خدمات و کمالات سے خود بھی چار چاند لگاتا ہے اور کتنا خوش نصیب ہے وہ انسان جسکی

نسل میں اس کی روایت زندہ رہتی ہے اور اس کے اعتقاد اپنے مورث کے صفات کی حفاظت کرتے ہیں اور اپنی تکمیل و ترقی کے سفر میں اسکی یاد سے شمع کا کام لیتے ہیں۔

## باب الحوائج کی بارگاہ میں معجزات کل بھی تھے، آج بھی ہیں اور قیامت تک ہوتے رہیں گے

جناب عباس علیہ السلام سیرت و صورت، صبر و قوت، شجاعت و عبادت، وقار و رعب اور بدبہ میں، گفتار اور رفتار میں بالکل اپنے جسد بزرگوار حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام سے مشابہ تھے۔

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کی وفات کے بعد جب کچھ لوگ مدینہ اشتیاق زیارت عباسؑ علمدار کو آئے۔ آپ اس وقت حرم سرا میں تشریف فرما تھے۔ حالانکہ ابھی بچپنا تھا۔ امام حسینؑ کے حکم سے جب باہر تشریف لائے تو لوگ دس قدم پیچھے ہٹے اور یہ کہنے پر مجبور ہوئے کہ کبھی علیؑ کی جوانی دکھی تھی۔ خدا نظر بد سے دور رکھے۔ جب یہ جوان ہوں گے تو کس عالم میں ہوں گے۔ آپ اتنے حسین تھے کہ دنیا قرینی ہاشم کہنے پر مجبور ہو گئی۔ اگر جناب عباسؑ معصومہ عالم نبی سیدہ کا شیر پی لیتے تو امام ہو جاتے۔ باپ نے پورے دس برس خدا کے رسولؐ کے لشکر کی علمبرداری کی لیکن علمبردار نہ کہلائے۔ بیٹے نے کچھ دیر کربلا کے میدان میں فوج حسینی کی علمداری کی قیامت تک کے لئے علمدار مشہور ہو گئے۔

حسینؑ پر فدا کاری کا جذبہ :- جناب عباسؑ کا بچپن کا زمانہ ہے



فرط محبت کی وجہ سے جب کبھی امام عالی مقام حضرت حسینؑ کے ساتھ چلتے تو ان کے قدموں کی خاک اپنی آنکھوں میں لگاتے۔ مسجد کوفہ کا مشہور واقعہ ہے کہ جناب امیر تشریف فرما ہیں آپ کے پہلو میں سرکار سید الشہداء حضرت امام حسینؑ جلوہ افروز ہیں۔ شہنشاہ کربلا کو پیاس لگی۔ قبر سے کہا پانی لاؤ حکم ملتے ہی قبر اٹھے۔ حضرت عباسؑ جن کا اس وقت کمسنی کا زمانہ تھا نزدیک بیٹھے ہوئے تھے۔ قبر سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ قبر ٹھہرو۔ عباسؑ حسینؑ کے سامنے تشریف لائے ہاتھ جوڑ کر عرض کیا آقا غلام کو کیوں بھلا دیا۔ میں اپنے آقا کے لئے پانی لاتا ہوں۔ فوراً چلے سر دپانی کا جام سر پر رکھ کر خوشی خوشی مسجد کی طرف بڑھے۔ راستہ میں سارا پانی چھلک کر گر گیا سارا جسم پانی سے تر ہو گیا۔ حسینؑ نے عباسؑ کو اس حال میں دیکھا۔ حسرت بھری نظروں سے کہا بھائی عباسؑ آج تو پانی لے آئے ہو۔ مگر ایک دن ایسا اُسے گا کہ تم ہماری پیچوں کے لئے پانی لینے جاؤ گے لیکن ہزار کوشش کے باوجود پانی نہ لاسکو گے۔ عباسؑ نے عرض کیا مولا کیا میرے بازو اس وقت سلامت نہیں ہوں گے؟

اس ہی طرح کا دوسرا فداکاری کا واقعہ ہے جو جنگ صفین کا ہے۔ کہ حسینؑ امیر المؤمنین حضرت علیؑ خلیفۃ المسلمین کے ساتھ باغیوں کے جنگ کر رہے تھے۔ عباسؑ بھی اس جنگ میں بابا اور بھائی کے ہمراہ ہیں عباسؑ حسینؑ کے دوش بدوش چل رہے ہیں۔ جہاں حسینؑ اور فوج اعدا کے درمیان معرکہ ہوتا ہے۔ عباسؑ دلاور شیر نر کی طرح غیض و غضب کے عالم میں بجلی کی تیزی کے ساتھ صفوں کو چیرتے ہوئے آقا حسینؑ اور اس فوج کے درمیان آجاتے ہیں جو سامنے آتا ہے نیزے کی اتنی سے اٹھا کر زمین پر گرا دیتے تھوڑی سی دیر میں ۹۰ اشقیاء کو فنا کیا فوج اعدا میں

کھلبلی مچ گئی۔ جناب عباسؑ فرماتے جاتے تھے کہ میں قبر بنی ہاشم ہوں۔ فرزند حیدر و صفدر ہوں۔ حق شناس ہوں۔ کسی کی جرأت ہے کہ میرے ہوتے ہوئے آقا حسینؑ کی طرف نظر اٹھا کر بھی دیکھے۔

کفر و ضلالت کی تیز و تند آندھیوں نے اگر شمع رسالت کو بجھانا چاہا تو اللہ کا ہاتھ اوپر رہا۔ دشمنانِ خدا و رسولؐ کی ہر کوشش کو زندگی بھر عباسؑ کے بابا اور ہمارے امیر المؤمنینؑ ناکام کرتے رہے۔ اسی طرح باپ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے شمع امامت کے لئے فرزندِ اللہ نے ہاتھ اوپر رکھا۔

یہ شمع امامت اس وقت گل ہو سکتی ہے جب یہ ہاتھ نہ ہوں آپ کے سامنے دنیاوی مثال ہے کہ جب کوئی شخص چراغ روشن کرتا ہے اور اس چراغ کو مکان کے دوسرے حصہ میں لے جانا چاہتا ہے ایسی صورت میں تیز ہو اس روشن چراغ کو گل کرنا چاہے تو یہ شخص اپنا ہاتھ اس چراغ کی جلتی ہوئی ٹوپ پر رکھ لیتا ہے اور اپنی پوری کوشش سے اس جلتے ہوئے چراغ کو بجھنے سے بچا لیتا ہے۔ علیؑ اور ابن علیؑ عباسؑ بالکل اس طرح ہے۔ یہ شمع رسالت کے پروانے اور عباسؑ شمع امامت کے محافظ دونوں نے اپنی زندگیوں میں رسالت اور امامت کو دشمن اسلام کے شر سے محفوظ رکھا۔ بیٹا تو اس حد تک آگے بڑھ گیا کہ امامت کی حفاظت کرتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھوں کو کٹوا لیا اور امامت کی شمع پر جان نثار کر دی۔

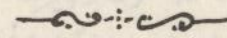
## حضرت عباسؑ میں علیؑ کے طور پر یقہ تھے

حضرت عباس علیہ السلام کا وہی طور پر یقہ تھا جو حضرت علی علیہ السلام کا تھا۔ علی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مددگار اور نائب تھے



اسی طرح جناب عباسؑ فرزند رسول ثقلینؑ حضرت امام حسین علیہ السلام کے مددگار اور نائب تھے۔ جناب امیر علیہ السلام فقراء و مساکین کو رات کے وقت اپنی پشت پر لا کر اجناس پہنچایا کرتے تھے۔ اسی طرح جناب عباسؑ بھی فقراء اور مساکین کی دلجوئی کرتے تھے۔ رسول خدا تک پہنچنے کے لئے حضرت علیؑ کا وسیلہ ضروری ہے۔ اسی طرح امام حسینؑ تک پہنچنے کے لئے حضرت عباسؑ کا وسیلہ چاہیے۔ اس جگہ ایک واقعہ بیان کرتا چلوں۔ ایک زائر امام حسینؑ کی زیارت کو جاتا تھا۔ لیکن جناب عباسؑ کی زیارت کو بہت کم۔ اس کو خواب میں جناب سیدہؑ نے بشارت دی کہ تم میرے بیٹے کی زیارت کو نہیں جاتے ہو۔ زائر نے کہا بی بی میں تو ہر روز زیارت سیدہ الشہداء کو جاتا ہوں مجھ سے تو کبھی ناغہ نہیں ہوتا اس پر بی بی نے کہا ہاں تم جاتے ہو۔ لیکن میرے بیٹے عباسؑ کی زیارت نہیں کرتے۔ دیکھا آپ نے اگر کوئی شخص امام عالی مقام کی زیارت کر کے آجائے اور جناب عباسؑ کی زیارت نہ کرے۔ قسم بخدا اس کی زیارت قبول نہیں ہوگی۔ عباسؑ اپنے بزرگوار کی طرح باب الحوائج ہیں۔ یہاں تک بھی آتا ہے مرادیں پاتا ہے جو ان کا نام لے کر منت مانتا ہے۔ اس کی منت پوری ہوتی ہے۔

منظر العجائب والغرائب حضرت علی علیہ السلام کے اس فرزند اور جہند کے کچھ معجزات اور کرامات بکھرے ہوئے اوراق سے جمع کر کے اس کتاب میں شائع کر رہا ہوں تاکہ منکر معجزات ان کو پڑھ کر ایمان لے آئیں اور اہل ایمان ان کے پڑھنے سے اپنے ایمان کو تازہ کریں۔



### معجزہ نمبر (۱)

## شاعر اہلبیت قیصر بارہوی کا کھویا ہوا بستہ مل گیا

گو د میں فاطمہؑ کی بخشش امت کیلئے لاش اصغر کی ہے عباسؑ علمدار ہاتھ جناب قیصر بارہوی شاعر اہلبیتؑ حال مقیم لاہور کا ایک عجیب و غریب تعجب خیز واقعہ کتاب علیؑ علیؑ حصہ دوم صفحہ نمبر ۱۱۴ پر بحوالہ امامیہ جنتری لاہور تحریر ہے کہ ایک دفعہ جناب قیصر بارہوی صاحب لاہور سے ملتان مجلس حسینؑ سے خطاب کے لئے بذریعہ بس مجلس میں تشریف لے جا رہے تھے۔ یہ بس ساہیوال جا کر کھڑی ہو گئی۔ کنڈیکٹر نے سواریوں سے کہا کہ ملتان کی سواریاں اس بس سے اتر کر سامنے کھڑی ہوئی دوسری بس میں آجائیں۔ میں بھی دوسری سواریوں کے ساتھ ملتان والی بس میں بیٹھ گیا۔ اور بس روانہ ہو گئی۔ بس کو چلے ہوئے کئی میل ہوئے ہوں گے کہ فچھ کو فوراً خیال آیا کہ میرا بستہ جس میں مرثیوں کی بیاض بھی تھی وہ تو پہلی والی بس میں رہ گیا۔ دل دھک سے ہو گیا۔ اب کیا کریں واپس جاتے ہیں تو بس وہاں نہ ملے یا تھیلہ کوئی دوسرا شخص لے گیا ہو اب اگر آگے جاتے ہیں تو پھر ملتان میں مجلس کیا پڑھوں گا۔ دل ہی دل میں حضرت عباس علمدار سے مدد مانگی اور کہا مشکل کشا کے فرزند میری مدد کیجئے کہ آپ کے بھائی شہید کر بلا کی مجلس پڑھنے جا رہا ہوں اور جو کچھ حادثہ ہو گیا اس کی بھی آپ کو خبر ہے۔ مولا عباسؑ مرثیوں کی بیاض آپ ہی عطا کریں گے۔ دل ہی دل میں مولا سے کہہ رہا تھا جس بس میں سفر کر رہا تھا۔ اچانک وہ خراب ہو گئی جس کی وجہ سے ڈرائیور نے بس روک لی اور تمام سواریاں بس سے نیچے اتر آئیں۔ ڈرائیور اور کلینر بس کو ٹھیک کرنے لگے۔ تھوڑی دیر میں خانیوال کی طرف سے ایک بس آئی اور بس سے



چند گز کے فاصلہ پر آگے جا کر رک گئی۔ اس میں سے ایک آدمی اترا اور میری بس کے پاس آ کر باواؤں بلند میرا نام لے کر کہا کہ قیصر بارہوی صاحب کون ہیں میں نے اپنا نام سنا فوراً بول اٹھا میں ہوں۔ اس شخص نے میرا تھیلا مجھ کو تھمایا اور کہا کہ راستہ میں ایک شخص نے مجھ کو یہ تھیلا دیا تھا اور بڑی تاکید سے کہا تھا کہ ابھی راستہ میں تم کو ایک بس کھڑی ہوئی ملے گی۔ اس میں ایک شخص قیصر بارہوی نام کے ہوں گے ان کو یہ تھیلا پہنچا دینا۔ یہ کہہ کر وہ آدمی اپنی بس میں بیٹھ کر روانہ ہو گیا اور اس شخص کے جاتے ہی ہماری خراب بس بھی ٹھیک ہو گئی۔ اور مسافروں کو بٹھا کر منزل کی طرف روانہ ہو گئی۔ صلوٰۃ بر محمد وآل محمد علیہ السلام اس واقعہ نے تو یہ ثابت کر دیا کہ معجزے اب بھی ہوتے ہیں بشرطیکہ آل محمد علیہ السلام سے صدق دل سے رجوع کیا جائے۔

معجزہ نمبر ۲

## پاکستانی صحافی کی آپتی جس نے حضرت عباسؑ کی زیارت کی

بحوالہ جنگ مورخہ ۲۲ اکتوبر ۱۹۸۱ء کالم نگار جناب رئیس امر وہوی "روضہ مبارک حضرت عباسؑ علماء پر ایک وجدانی منظر" ممتاز صحافی جناب اقبال احمد صدیقی ساکن یو کے پلازافیلڈرل بی ایریا سپربائی وے کراچی روزنامہ جنگ اور اخبار جہاں کے نمائندے کی حیثیت سے عراق کے دورے پر گئے تھے اس سلسلہ میں ان کو ایک عجیب واقعہ سے دوچار ہونا پڑا۔ لکھتے ہیں کہ عراق میں اکیسواں روزہ تھا۔ پاکستان میں رمضان المبارک کی بیسویں تاریخ ہوگی۔ میں نے شاہراہ سعدرن پر واقع ہوٹل دارالسلام کے کمرہ نمبر ۴۰۶ میں وضو کیا کپڑے تبدیل کئے

اور کمرہ بند کر کے لفٹ کے ذریعہ نیچے اترا۔ دروازے پر کربلائے معلیٰ جانے کے لئے ایک ایریکٹڈ ٹیٹا کار منتظر تھی۔ میں دو پاکستانی صحافیوں کی رفاقت میں کربلا کی جانب روانہ ہوا۔ عراقی وزارت ثقافت کے ایک نوجوان افسر رہنما کے طور پر ہمراہ تھے۔ عقیدت اور محبت کے جذبات سے دل سرشار تھا۔ ہم پہلے دریائے دجلہ اور فرات کے جدید ترین پل سے گزرے۔ ہمارے رہنما مسٹر علی جوینغاد یونیورسٹی کے گریجویٹ ہیں راستہ میں آنے والے تمام مقامات کے بارے میں معلومات فراہم کر رہے تھے۔ ٹریفک کی زیادتی کے باوجود ہماری گاڑی پوری رفتار سے رواں دواں تھی۔ السید پل کے بعد عمودیہ اور اسکندریہ نام کی دو بستیاں آئیں پھر کربلائے معلیٰ کے آثار نمودار ہوئے ہم شہر میں داخل ہوئے تو کاروں بسوں، موٹر سائیکلوں اور پیدل چلنے والوں کا اتنا ہجوم تھا کہ ہماری گاڑی کا گزرنا مشکل تھا بالآخر روضہ مبارک سے دور گاڑی کو کھڑا کیا اور سیدنا امام حسینؑ کے روضہ مبارک پر حاضری دی۔ پشاور کے روزنامہ جہاد کے اڈیٹر جناب شریف فاروقی اور اخبار خواتین کی نمائندہ خصوصی برائے اسلام آباد مسز شمیم الحق ہم سفر تھیں دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ باب حسینؑ سے اندر داخل ہوئے۔ ہجوم کی وہ کثرت کہ اللہ اکبر۔ جوشان و شوکت اللہ تعالیٰ نے اس مقام متبرک کو عطا کی ہے اس کو لفظوں میں بیان کرنا مشکل اور بہت مشکل ہے۔ زائرین والہانہ انداز میں امام حسینؑ کی جالیوں کو بوسے دے رہے تھے اور رو کر دعائیں مانگ رہے تھے عصر کی نماز کا وقت ہو چکا تھا۔ میں نے ساتھیوں سے اجازت لے کر ایک تنگ جگہ بیٹھ کر نماز ادا کی۔ پھر سب کے ساتھ کھڑے ہو کر فاتحہ پڑھنے میں مصروف ہو گیا۔ اس وقت دل اور نظروں کو عجیب قسم کی سرور آمیز ٹھنڈک



کا احساس ہو رہا تھا۔ پورا ماحول شفقت اور محبت کی خوشبو سے بہک رہا تھا۔ افطار کا وقت قریب تھا۔ ہماری خواہش تھی کہ دوسرے شہداء کی زیارت سے محروم نہ رہیں۔ ہجوم کے سبب ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر چلنا پڑتا تھا۔ ہم نے حضرت عباسؓ ابن علیؓ علیہ السلام کے روضہ منورہ میں قدم رکھا۔ کیا جاہ و جلال تھا۔ زائرین کے ہجوم سے گزر کر قریب پہنچے تو صدر دروازے پر خوبصورت الفاظ میں کندہ تھا۔

### ”حضرت امام عباس یا ابا الفضل العباس“

اور آپ کی ضریح مبارک پر السلام علیک یا عباسؓ یا قمر بنی ہاشم تحریر تھا۔ ہیبت اور عظمت کے سبب میرا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ میں اسکول کا کمسن معمولی طالب علم ہوں اور اپنا ہوم ورک کئے بغیر کلاس ٹیچر کے سامنے آ گیا ہوں۔ جہاں تجھ سے میری کوتاہی پر باز پرس ہو سکتی ہے۔ سوچا کہ شاید اس ذہنی کیفیت کا سبب اعصابی دباؤ ہے۔ لیکن جلد ہی محسوس ہوا کہ یہ عذر غلط ہے۔ عباس علمدار کی پوری زندگی چشم باطن کے سامنے سے گزرنے لگی۔ آپ حضرت عثمان کی خلافت کے سال اول ۲۶ء میں پیدا ہوئے۔ اپنے عظیم المرتبت والد سیدنا علی علیہ السلام کے سایہ شفقت میں آپ کا بچپن گزرا۔ جنگ صفین میں زخمیوں کو پانی پلاتے رہے۔ عاشورہٴ محرم کو مشکیزہ لے کر فرات پر مشکیزہ توڑا۔ مشکیزہ کو دانٹوں سے پکڑ لیا۔ شجاع ابن شجاع لشکر حسینی کے علمدار کیا وہی جاہ و جلال ہے جو ان کے روضہ مبارک سے عیاں ہے۔ بازار کربلا میں آٹس کریم سے روزہ افطار کیا۔ رات گئے وہاں سے واپسی ہوئی اپنے ہوٹل میں پہنچا۔ کمرہ بدستور مقفل تھا۔ پروگرام یہ تھا کہ کھوڑی دیر بعد کمرے

میں طعام کیا جانا ہے۔ دروازے پر خود کار طریقہ پر داخل ہو جانے کے بعد بند ہو جاتا تھا۔ کھٹکا ہوا اور محسوس ہوا کہ کمرے میں میرے علاوہ کوئی اور بھی ہے۔ کمرہ خوب روشن تھا۔ جھرجھری آگئی۔ فوراً کوریڈور کی طرف مڑ کر دیکھا۔ ایک صاحب بالکل قریب آکر واپس جا رہے تھے۔ چھٹ سے نکلتا ہوا قد۔ سبز عمامہ۔ سیاہ خشخشی ڈارٹھی۔ خوب چوڑا سینہ شانے بڑے بڑے۔ سر سے پاؤں تک مجاہدانہ شان۔ شفاف پیشانی۔ میں اتنا مرعوب ہوا کہ فوراً کمرے سے باہر آ گیا۔ مگر دور تک کوئی نظر نہ آیا۔ دروازہ بند کر کے سیدھا فرسٹ فلور پر ڈائننگ ہال میں چلا گیا۔ کسی سے کچھ نہ کہا۔ شریف فاروق سے کہا کہ آپ کے کمرے میں چلتا ہوں۔ نماز بھی وہیں پڑھو۔ فضا میں عجیب قسم کی دلاویز تھک تھی جس سے بڑی تسکین ہو رہی تھی کراچی میں ایک صاحب معرفت بزرگ سے اس واقعہ کا ذکر کیا تو کہنے لگے کہ آپ کربلا میں جن بزرگ کے یہاں تھے۔ انہوں نے اپنی حفاظت میں آپ کی قیام گاہ تک پہنچا دیا۔ یہ محض حسن اتفاق ہے کہ آپ نے یہ نظر دیکھ بھی لیا۔ دو پہینے ہو گئے حیران ہوں کہ یہ کیا تھا۔ کوئی نفسیاتی ڈرامہ یا وجدانی نظارہ اس مقام پر عقل بالکل کام نہیں کرتی۔ اس کیفیت کے متعلق کس سے دریافت کروں۔

### معجزہ نمبر (۳)

### ذاکر حسین کی عظمت جناب عباس علمدار کی نظر میں

کہا عباسؓ نے فوجِ عدو سے اب کہاں ہیں وہ صفوں سے جو نکلتے تھے بہت جرار بن بن کر (تمنا مرحوم)



مصنف کتاب سرور المؤمنین لکھتے ہیں کہ میرے بھائی شیخ جعفر نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ وہ ایک سید کے ساتھ کربلا سے نجف اشرف کو جا رہے تھے۔ راستہ میں ایک عالیشان عمارت نظر پڑی جس کے ارد گرد نہایت گنجائش درخت پورے سلسلے لگے ہوئے تھے دل میں سوچنے لگا کہ بارہا اس طرف سے گزر ہوا ہے کبھی اس قسم کا کوئی مکان اس راہ میں نظر سے گزرا ہی نہیں یہ مکان کیا ہے۔ میں اس تردد میں آپس میں باتیں کر رہا تھا کہ ایک بزرگ سامنے سے نمودار ہوئے اور فرمانے لگے یہ میرا مکان ہے آئیے اور میری دعوتِ نہانی قبول فرمائیے۔ ہم دونوں ان کے ہمراہ داخل خانہ ہوئے۔ وہ مکان کیا تھا جنت کا نمونہ تھا۔ اس مکان میں راحت اور آرام کے تمام اسباب موجود دکھائی دے رہے تھے۔ اس مکان میں ایسی نعمتیں ہتیا تھیں۔ جن کو اس سے پہلے میں نے نہیں دیکھا تھا اور نہ کانوں سے سنا تھا۔ اس مکان کے اندر ایسے ایسے باغات تھے کہ سبحان اللہ۔ باغوں کے درختوں پر طائرانِ خوش الحان اور مرغانِ شیریں بیان چہک رہے تھے۔ نہریں جاری تھیں۔ سبزہ لہلہا رہا تھا درخت بارش سے جھکے ہوئے تھے۔ پھولوں کی خوشبو سے دماغ معطر تھے۔ اس عجیب و غریب مکان میں سیر کرتا ہوا جا رہا تھا کہ اس کے ایک پہلو سے ایک اور شاندار مکان نظر آیا۔ اسے دیکھ کر میں حیران ہو گیا۔ وہ اس خوبی سے بنا ہوا تھا اور بہت بہترین طریقہ سے آراستہ تھا اس کی توصیف سے میری زبان قاصر ہے۔

اس میں ایک بزرگوار جن کے چہرے سے عظمت و جلال آشکار تھا۔ مجھے دکھائی دیئے۔ انھیں میں نے صدر مقام پر بیٹھے دیکھا۔ میں نے آگے بڑھ کر نہایت ادب سے ان کو سلام کیا۔ انھوں نے جواب سلام کے بعد اسی سید سے جو میرے ہمراہ تھا اور جسے میں پہچانتا بھی نہ تھا۔ لیکن رفیقِ سفر

ہونے کی وجہ سے میں اس سے مانوس تھا۔ فرمایا کہ شیخ کو جو آقائے نامدار حضرت سید الشہداء کا ذکر ہے فلاں مقام پر لے جاؤ اور اسے آبِ سرد اور طعام لذیذ سے سیراب کرو۔ اور جس چیز کی اسے ضرورت ہو اسے ہتیا کر دو۔ یہ سن کر وہ سید مجھے ایک مکان وسیع میں لے گیا۔ جہاں انواع و اقسام کے کھانے چنے تھے۔ میں نے خوب سیر ہو کر کھایا جب وہ سید مجھے رخصت کرنے کے لئے نادرخانہ میں آیا تو میں نے اس سے کہا۔ تجھے قسم ہے اس عظیم الشان شخصیت کی جو اس مکان کا مالک ہے۔ مجھے بتا یہ کون سا مقام ہے۔ اور یہ مسند نشین صدر خانہ کون ہیں؟ اس نے کہا اس مقام کا نام وادی مقدس ہے اور ان جناب کا ام گراہا حضرت عباسؑ ہے اور یہ مکان ان ہی جناب کا ہے۔ یہیں سب شہداء کربلا جمع ہو کر حضرت امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں جاتے ہیں۔ میں نے عرض کی اے سید میں نے بھی سنا ہے اور کتابوں میں بھی پڑھا ہے کہ کربلا میں حضرت عباسؑ کے دونوں دست مبارک کٹ گئے تھے اس نے کہا بے شک۔ میں نے عرض کیا کہ مجھے رخصت آخری کے بہانے سے ان کی خدمت میں لے چلو تاکہ میں حضرت کے دست بریدہ جسم کو بچشم خود دیکھ لوں وہ سید مجھے دوبارہ ان کی خدمت میں لے گیا۔ میں نے جو نبی ان کے دست بریدہ جسم کو دیکھا۔ میں بے اختیار رونے لگا اور بے ساختہ یہ اشعار میری زبان پر جاری ہو گئے۔ ترجمہ :- دشمنوں نے ان کے جسم کو تیروں سے پھلنی بنا کر اس مشکیزہ کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ جسے انھوں نے بڑی مشکلوں سے پڑ کیا تھا اس وقت آپ کمال مایوسی کے عالم میں باہتشم پر تم حضرت امام حسین علیہ السلام کو آواز دی۔ اے میرے آقا حسینؑ میری تمام امیدیں خاک میں مل گئیں۔ افسوس میں پانی پہنچانے سے قبل ملک الموت سے ملاقات



کونے پر مجبور ہو گیا تھا۔" راوی کہتا ہے کہ یہ سن کر حضرت رونے لگے اور حضرت عباسؓ علمدار نے فرمایا۔ اے شیخ خدا تم لوگوں کو صبر دے میں نے ان سے زیادہ تکالیف برداشت کی ہیں جن کی تمہیں اطلاع نہیں ہے۔

معجزہ نمبر (۴)

## حضرت عباسؓ کی اہم مصیبت اور ایک خواب

بڑھ کے عباسؓ نے سجادہ ادرہ چھوایا

خواب سے بیٹوں کو زینبؓ نے ادھر چونکایا

(آرزو دکھنوی)

کتاب نظم الزہراء صفحہ ۱۲۰ میں تحریر ہے کہ جب حکیم بن طفیل نے حضرت عباسؓ کا بایاں ہاتھ قطع کر دیا تو آپ نے علم کو اپنے سینے سے لگایا۔ اسے لکھنے کے بعد مصنف بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے عالم جلیل القدر علامہ شیخ کاظم سیستانی نے فرمایا کہ ایک عالم دین میرے پاس تشریف لائے اور کہنے لگے۔ میں حضرت عباسؓ علیہ السلام کا سفیر ہوں۔ آپ کی طرف بھیجا گیا ہوں میں نے پوچھا کیا پیغام لائے ہو۔

فرمایا۔ مجھ سے حضرت عباسؓ نے خواب میں فرمایا کہ میں آپ کے پاس جاؤں اور یہ کہہ دوں کہ آپ حضرت عباسؓ کے مصائب مجالس میں بہت کم پڑھتے ہیں۔ اس کے بعد اس عالم سفیر نے کہا کہ میں نے حضرت عباسؓ کے اس فرمانے پر عرض کی کہ مولانا میں تو خود کئی دفعہ ان کی مجالس میں شرکت کر چکا ہوں۔ میں نے خود سنا ہے کہ یہ عالم مجالس میں آپ کا ذکر برا کرتے ہیں اور مصائب بیان کرتے ہیں اس پر جناب عباسؓ علمدار نے کہا کہ یہ ٹھیک ہے۔ لیکن وہ میری اس عظیم مصیبت کو بیان نہیں کرتے جب کوئی

سوار زخموں کی تاب نہ لا کر اپنے گھوڑے سے زمین کی طرف گرتا ہے تو زمین پر پہنچنے میں اپنے ہاتھ کا سہارا لیتا ہے۔ لیکن وہ مظلوم کیا کرے جس کے سینے میں تیر جھکے ہوں اور دونوں ہاتھ کٹے ہوں وہ زمین پر گرتے وقت کس چیز کا سہارا لے سکتا ہے۔

اس خواب سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عباسؓ علیہ السلام نے گھوڑے سے گرتے وقت اپنے ہاتھوں کو سہارے سے محروم پا کر انتہائی صدمہ میں پایا اور اس مصیبت کو علیؓ کے شیر دلاور نے بہت محسوس کیا۔ (میرا مقصد صرف اور صرف یہ ہے کہ ذاکرین صاحبان جب حضرت عباسؓ علیہ السلام کے مصائب بیان کریں تو مصائب کے اس ٹکڑے کو ضرور بیان کریں۔)

معجزہ نمبر (۵)

## بجلی کے کرنٹ سے مرجانے والا بچہ زندہ کر دیا

شوکتِ رایت سلطانِ مدینہ دیکھو

ہے وہ پرچم سے بندھی مشک سکینہ دیکھو

عالیجناب مولانا علی اختر صاحب امر و ہوی کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں۔ جناب والا کئی عدد کتابوں کے مصنف بھی ہیں ۱۹۵۲ء میں زیارت سید الشہداء حضرت امام حسینؓ کو مع اپنے اہل خاندان کے تشریف لے گئے۔ ان کے ہمراہ ان کا پوتا جس کا نام حسن عباس ہے وہ شریک سفر تھا۔ دوران قیام کو بلائے معلیٰ ان کے اس پوتے کے ساتھ ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ جس کو جناب اختر علی صاحب نے حضرت عباسؓ کے معجزے سے تعبیر کیا ہے اس پورے معجزے کو آپ نے کتاب زائر حسینؓ کا روزنامہ صفحہ نمبر ۱۲۵ تا ۱۳۰ میں تحریر کیا ہے کہ "۲۹ مئی ۱۹۵۲ء"



۱۳ شعبان جمعہ، آج کربلا کے معنی کے ہر گلی کوچہ میں بھیر بھاڑ ہے۔ سڑکیں مسلسل پیدل آئیوں نے زائرین سے یا ان کے لانے والے موٹر گاڑیوں سے بھری ہیں روضہ بجات میں اور عمارات مثلاً خیمہ گاہ وغیرہ میں بڑے بڑے وسیع صحن دریاں دالان ہر جگہ مضافات کے آئے ہوئے قافلوں سے بھر چکے ہیں اب ان مقامات میں آمد و رفت دشوار ہے۔ چونکہ ہر آنے والے کا مقصد حاضری حرم مبارک و زیارتِ ضریح مقدس ہوتا ہے۔ لہذا حرم کا مجمع بہت اور محدود جگہ ہونی کی وجہ سے بیکشمکش ہوتی ہے۔ صبح سے گھر ہی میں تھا۔ یہ پروگرام بنایا کہ آج شب اعمال و عبادت اپنی قیام گاہ پر کئے جائیں گے اور آخری حصہ شب میں سب عورتوں اور بچوں کو ساتھ لیکر مشرف بہ زیارت ہوں گا۔ اس وقت بھیر طم ہونے کا خیال تھا۔ گذشتہ رات چونکہ شب جمعہ تھی کم خوابی کی وجہ سے اس وقت طبیعت کسلند سی تھی۔ لیٹے لیٹے رسالہ نور کراچی کا آیا ہوا تھا۔ پڑھتے پڑھتے سو گیا۔ تقریباً دس بجے دن کا وقت تھا۔ دوسرے متصل کمرہ میں میری اہلیہ اور بہو وغیرہ تھے۔ یکایک شور و غل کی آواز نے مجھے خواب سے چونکا دیا۔ دیکھتا ہوں کہ میری اہلیہ اور ان کے پیچھے پیچھے میری پوتی صادقہ اختر سلہاروٹی بیٹی فریاد کتاں دوسری جانب اسی عمارت میں بھاگی جا رہی ہیں۔ میں گھبرایا استفسار حال کرتا ہوا پیچھے دوڑا۔ اس نے بتلایا کہ اس کا چھوٹا بھائی حسن عباس سلمہ گلی والے کمرہ میں بجلی کے تار سے لپٹ کر بے ہو گیا ہے۔ اس خبر نے دماغ کو بیکار کر دیا۔ افسان و حیران اس کمرہ میں پہنچا۔ اس کمرہ میں ایک کھڑکی ہے۔ جس پر لوہے کی سلاخوں کو موڑ کر ایک بار بھربنایا گیا تھا۔ اسی جگہ بجلی کا تار گلی کی مین لائن میں دوڑا ہوا ہے۔ یہ بچہ اسی کمرہ میں گیا اور صادقہ اس کی بہن بھی اسی جگہ تھی۔ میرے دن کے آرام کیلئے

اسی خالی کمرہ میں ملازم نے بستر کر دیا تھا۔ کیونکہ آج مسافر خانہ کی عمارت میں بہت زیادہ مجمع مسافروں کا ہو گیا تھا۔ یہ جگہ علیحدہ اور خاموش تھی۔ بچوں نے یہاں نئی جگہ آکر دیکھ بھال شروع کر دی۔ صاحبزادہ حسن عباس سلمہ نے جس کی عمر آٹھ سال کی ہے اس کھڑکی کے آہنی کٹھن پر کھڑے ہو کر بجلی کے تار کو چمک لیا۔ اسے سہی کر نٹ کی بجلی میں لائن کو بچھرنے بے اختیاری طور پر تار کو چمکڑا بجلی کا جو کام تھا اس نے کیا۔ یہ اسی تار میں لٹک کر بے حس و حرکت رہ گیا۔ میں نے جس حال میں اس کو پایا خدا کسی دشمن کو بھی اس کی اولاد کا یہ منظر نہ دکھلائے۔ منکا ڈھلا ہوا۔ آمد و شد نفس کا نام نہیں۔ اسی تار میں اس حالت سے لپٹے اور لٹکتے تقریباً دس منٹ گزر چکے تھے۔ میں نے پہنچتے ہی اس کو گود میں لیا اور انگلیاں ہاتھ کی جوتار میں متصل تھیں اور اسی سے بجلی اپنی قوت میں اس کو جذب کئے لٹکائے ہوئے تھی۔ تار سے چھڑا کر علیحدہ اسی جگہ فرش پر بیٹھ گیا اور میری زبان سے مسلسل یہ فریاد جاری تھی کہ اے ابو الفضل العباس میرے اس بچے کو مجھے واپس دو ادبجے اور یہ فقرہ اس یقین کے ساتھ میرے منہ سے نکل رہا تھا کہ میں محض جسد خاکی کو گود میں لے بیٹھا ہوں۔ چاروں طرف مرد عورت اپنے پرانے گھرا ڈالے میرے ساتھ ہم آواز فریاد و دعا کر رہے تھے۔ گھبراہٹ و پریشانی کے عالم میں کچھ لوگ ڈاکٹر کو بلانے بھاگے ہوئے گئے۔ اس بچہ کے باپ صاحبزادہ اختر عباس سلمہ اللہ تعالیٰ مکان کے زیرین حصہ میں بیٹھے ہوئے اپنے استاد عالیجناب ڈاکٹر سید جعفر حسین صاحب ڈی۔ (لٹ) سے باتیں کر رہے تھے۔ ان تک خبر پہنچی اور وہ لوگ بھی بدحواس میرے پاس پہنچ کر شریک حال ہو گئے۔ میری اہلیہ بلا کسی اطلاع کے پہلے ہی اس بچے کو لٹکا ہوا دیکھ



کر بے تخاصہ حواس باختہ تنہا حرم مبارک سید الشہداء امام حسین میں  
 فریاد کناں پہنچ گئیں۔ مجمع کی کثرت سے صریح مبارک کے پاس رک نہ  
 سکیں تو جناب حبیب ابن مظاہر کی کے رواق میں بیٹھ اور مولا سے  
 رو رو کر اپنی فریاد کرنے لگیں۔ گرد و پیش میں عربی و عجمی عورتوں نے  
 ان کی سرا سیمگی سے متاثر ہو کر استفسار حال کیا اور سب نے رو رو کر  
 ان کی فریاد و دعائیں شرکت کی۔ اسی حالت میں اس بچے نے میری گود  
 میں (جس کو میں مُردہ کی حیثیت سے لئے پندرہ منٹ سے بیٹھا تھا اور  
 پانی چھڑکتا تھا) زندگی کے آثار ظاہر کئے۔ ہونٹوں پر خفیف سی حرکت معلوم  
 ہوئی۔ پانی کے قطرات ٹپکائے۔ آنکھوں میں بھی حرکت محسوس ہوئی۔ ہماری  
 فریاد مسلسل جاری تھی۔ رفتہ رفتہ آنکھیں کھولیں۔ مگر چہرے کا رنگ سفید  
 آنکھوں سے انتہائی ضعف ظاہر ہوتا تھا۔ میری آواز پر حواس مجتمع کر کے  
 نقاہت و اشارہ سے جواب دیا سب لوگ متحیر ہو کر درود سلام پڑھنے لگے  
 (صلوٰۃ بر محمد و آل محمد) اس سچے کی ماں بالا خانے پر روضہ مطہر جناب  
 سید الشہداء کے سامنے رُخ کئے سر بر ہنہ مصروف فریاد و فغاں تھی۔  
 میں نے اس کو بلایا کہ آئے اور اپنے لختِ جگر کو لے لے اور اپنے مولا کی  
 فریاد رسی کا کرشمہ دیکھے۔ آئی اور بے تابانہ اپنے نورِ نظر کو کلیجہ سے لگا کر  
 رونے لگی۔ اسی حالت میں ڈاکٹر قریشی صاحب تشریف لائے انھوں نے  
 آلہ لگا کر قلب کی حرکت دیکھی۔ نبضیں دیکھیں اور جھجھ سے کہا کہ بچہ بفضلہ خطہ  
 سے باہر ہے۔ مختصر یہ کہ ڈاکٹر صاحب کو رخصت کر کے ہم عطیہ ابو الفضل  
 العباسی کو گود میں لئے دوسرے کمرے میں چلے آئے جہاں مجمع سے الگ  
 ہو کر اس کو آرام کرنے کا موقع دیا۔ کئی گھنٹہ خاموش پڑا رہا نہ کچھ کھانے  
 پینے کی رغبت نہ بات کرنے کی طاقت ہاتھ کی انگلیوں سے جو بجلی کے تار

پلٹے تھے۔ چھالے پڑ گئے تھے۔ کپڑے اس کے بدلنے ہوئے ظاہر ہوا کہ  
 پیر کے تلوے میں بھی ایک بڑا چھالہ قریب تین انچ کا پڑ گیا ہے اس کی  
 کوئی وجہ ذرا بھی سمجھ میں نہ آئی۔ سہ پہر کو اس نے پھلوں کا عرق دودھ  
 برف کے ساتھ پیا اور چہرہ پر بحالی آگئی۔ رات کو صحت مندانہ انداز  
 میں آرام کیا۔ ہم لوگ نہایت سکون و آرام سے تمام شب اعمال نیمہ شعبان  
 بجالائے اور عبادتِ الہی میں مصروف و مشغول رہے اور شکرِ خدا اور رسول  
 بجالائے۔ (اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ) تین بجے رات کو معہ  
 اپنی اہلیہ کے حرم مبارک میں حاضر ہوا۔ خیال تھا کہ مجمع اس وقت کم ہوگا  
 مگر اس وقت بھی بہت بڑا ہجوم تھا۔ تمام عمارات صحن و دالان میں مجمع ہی  
 مجمع ہے۔ علی الخصوص اندر حرم صریح اقدس کے ایک اژدہام زائرین کا  
 جدھر دیکھو لوگ مصروف طواف یا عبادت ہیں کسی نہ کسی طرح اندر حرم مبارک  
 پہنچ کر اس شب کے مخصوص اعمال و زیارات وغیرہ پڑھ کر ایک گوشہ  
 میں علیحدہ بیٹھ کر مقصدِ حسین کی ابدی کامیابی کا یہ منظر دیکھتا رہا۔ کہ رات  
 کے چار بجے ہیں۔ لوگ اس آستانہ پر اپنے دل کی مرادیں ماننے چلے آ رہے  
 ہیں۔ اور بزیغ کا نہ نام ہے اور نہ نشان۔

”حقاً کہ بنائے لالہ است حسین“

اب اس واقعہ کے متعلق ارباب بصیرت ناظرین کو دعوتِ غور و فکر دیتا  
 ہوں۔ تاریخ کی خدمت میں عرض ہے کہ معجزے کی تعریف یہ ہے کہ نظام  
 فطرت کے تحت جو افعال و خواص ہر شے کے ایک مقررہ اصول و عادات کے  
 پابند ہیں اس کے خلاف بلا کسی خارجی مداخلت کے اس کا اثر یا نتیجہ ظاہر  
 ہو۔ مثلاً آگ کا کام جلانے کا ہے۔ پانی کا کام ڈبلونے کا ہے۔ اسی طرح  
 بجلی کا کام سکڑ سے بھی کم وقفہ میں اپنے معمول کو فنا کر دینے کا ہے۔ چنانچہ



اس واقعہ میں بھی بجلی نے اپنا کام کیا۔ حسن عباس نے بجلی کے تار کو ہاتھ سے پکڑا اس نے فوراً ہی اپنی طاقت میں اس کو جذب کر لیا اور یہ لپٹ کر رہ گیا۔ لوہے کی سلاخوں کے کپڑے پر ننگے پیر کھڑا تھا۔ بجلی کی قوت ہاتھوں سے پاس ہوتی رہی اور نیچے پیروں کے لوہے کو جلاتی رہی جس کے گرم ہو جانے سے اس کا پیر اچھا خاصا جل گیا۔ تین ہفتہ مسلسل زخم کا علاج ہوتا رہا پھر ٹھیک ہو گیا۔ کوئی برقی چیز برقی قوت اور اس کے جسم میں اتصال میں ایسی حارج نہ تھی جو بجلی کے کرنٹ کے لئے رکاوٹ کا باعث بنتی۔ دس منٹ کے وقفہ تک عامل و معمول ایک دوسرے سے متصل وابستہ رہے۔ کہا جاتا ہے کہ اگر ایسی حالت میں معمول سے کوئی دوسرے انسان لپٹ جاتے ہیں تو وہ بھی اسی بجلی کی زد میں آجاتے ہیں۔ اب اس واقعہ پر غور کرتا ہوں تو پہلی بات خرق عادت کی یہی ہے کہ میں نے بلا کسی خیال و احتیاط کے بچہ کو گود میں سنبھالا۔ اپنے ہاتھوں سے ان کی انگلیاں تاروں سے چھڑائیں اور اسی جگہ فرش پر اس کو لے بیٹھے بیٹھ گیا۔ مگر مجھ کو کوئی اثر بجلی کا محسوس نہ ہوا۔

دوسری بات قابل غور یہ ہے کہ اس عالم بیہوشی و بے حسی میں جو تقریباً پندرہ بیس منٹ تک بچہ پر میری گود میں گزری دو حال سے یہ بات خالی نہیں ہو سکتی۔ پہلی بات یہ کہ وہ مرجچکا ہے (جیسا کہ میرا یقین تھا اور ہے) یا وہ زندہ تھا۔ لیکن بظاہر مردہ تھا۔ اگر زندہ تسلیم کر لیا جاتا تو خرق عادت میں یہ جزو واقعہ ضرور تسلیم کرنا پڑے گا کہ برقی قوت نے اپنے معمول پر کم سے کم دس پندرہ منٹ کے اتصال کے باوجود کوئی اثر نہیں کیا۔ یا اثر کیا بھی تو اتنا ناقص و کمزور جس کی کوئی وجہ عقل میں نہیں آسکتی۔ مگر اس کے کسی بالاتر طاقت نے بجلی کے اثر کو کمزور بنا دیا۔

اور بس یہی تصرف روحانی علمدار حسین حضرت عباسؑ کا ہے جن کو ہم رُو رُو کر دل کی آواز سے پکار رہے تھے۔ اور ہمارے ساتھ یہاں سے حرم مبارک سید الشہداءؑ تک سینکڑوں زائر ہمارے ہم آواز تھے۔ دوسری بات یہ کہ بجلی نے اپنا کام کیا بچہ کی روح نفس جسدی سے علیحدہ ہو چکی تھی۔ علی مرتضیٰؑ کے فرزند سید الشہداءؑ کے قوت بازو ہمارے فریاد رس ابوالفضل العباسؑ نے اپنی اعجازی طاقت سے رضاً الہی حاصل کرنے کے بعد دوبارہ خلعت حیات اس بچہ کو عطا کر دی زائر حسینؑ کو مبتلا و مصیبت نہیں ہونے دیا۔ بہر صورت یہ واقعہ اپنی جگہ اعجازی اور معجزاتی حیثیت رکھتا ہے۔ جس کو عراق میں موجود ہزاروں لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔

معجزہ نمبر (۶)

## شاہ ایران موت کے منہ سے بچ گیا

اکبر شگفتہ ہو گئے صحر کو دیکھ کر  
عباسؑ جھومنے لگے دریا کو دیکھ کر

شاہ ایران رضا شاہ مرحوم جو ایران کا فرمانروا تھا اپنے دور حکومت کے حالات کو کتاب "شمال کی شمالا بیٹی" میں تحریر کیا ہے کہ اس کتاب میں جہاں دیگر حالات کا تذکرہ کیا ہے وہاں چار معجزوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ ان معجزات میں سے ایک معجزہ جناب عباسؑ علمدار کے نام نامی سے منسوب ہے۔ شاہ ایران رضا شاہ کہتے ہیں کہ وہ اپنے دور اقتدار کے زمانہ میں ایک دفعہ امام زادہ داؤد کے مزار پر زیارت کی غرض سے جا رہا تھا جو ایک پہاڑ کے اوپر واقع ہے۔ جب ہم پہاڑی



پر پہنچے تو چڑھائی کے دوران ہم اپنے گھوڑے سے گر پڑے اور نیچے چٹانوں پر آ پڑے۔ یہ منظر دیگر لوگوں نے بھی دیکھا وہ سب یہ سمجھے کہ رضا شاہ پہاڑ سے گرتا ہوا نیچے چٹانوں پر جائے گا اور اس کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے۔ آپ کو کیا بتاؤں مجھ کو تو خراش تک نہیں آئی۔ واقعہ یہ ہوا کہ ہم جیسے ہی گھوڑے سے گرے مجھ کو حضرت عباسؓ نے معجزہ کے طور پر سہارا دیا اور بڑے آرام اور اطمینان سے ایک چٹان پر روک دیا۔ اس طرح میری جان بچ گئی۔ (بحوالہ کتاب شاہ ایران کی شاہ بیستی صفحہ نمبر ۳۷۷ اردو ترجمہ۔ ناشر مکتبہ شاہ کارہنو کراچی)

معجزہ نمبر (۷)

## نمک صحرا کے ریت میں تبدیل ہو گیا

علیؑ کا دبدبہ، جعفرؑ کی سطوت، عزم شیری  
رہیں گے خاک و باہوں سے یہ مشک و علم والے  
(محسن اعظمؑ گڑھی)

ترکوں کی حکومت جب عراق پر تھی یہ واقعہ اسی زمانہ کا ہے کہ ان دنوں نمک کی برآمد پر غیر معمولی ٹیکس لیا جاتا۔ ایک غریب عرب نمک لیکر کسی دوسرے ملک سے عراق آیا۔ چونگی کے افسروں اور سپاہیوں نے اس غریب عرب کو تنگ کرنا شروع کر دیا۔ اسی دوران یہ روضۃ الفضل العباسؓ تک باتوں باتوں میں پہنچ گیا۔

عرب نے نمک کو حضرت عباسؓ کی ضمانت میں دیدیا اور سپاہیوں سے کہا کہ اس کو اتارو دیکھو۔ سپاہیوں نے نمک اونٹوں سے اتارا تو کیا

دیکھتے ہیں کہ تھیلیوں میں ریت ہی ریت بھری ہے۔ سپاہی یہ دیکھ کر بہت شرمندہ ہوئے اور اس غریب عرب کو چھوڑ دیا اور وہاں سے چلے گئے۔ سپاہیوں کے جاتے ہی نمک اصلی شکل میں آ گیا۔ اس واقعہ کی شہر عراق میں کافی شہرت ہوئی اس محل پر ابراہیم خلیل اللہ یاد آتے ہیں جن کے لئے ریگ صحرا آٹا بن گئی تھی۔ وہ نبی تھے۔ اور یہ علم ارسطو رسولؑ تھے۔ (بحوالہ کتاب العبد الصالح از مولانا آغا مہدی کھنوی)

معجزہ نمبر (۸)

## حضرت عباسؓ کی جھوٹی قسم کھانیوالے کو فوراً سزا ملی

علم عباسؓ کا دل سے لگائے جس کا جی چاہے  
لہو میں ڈوب کر بھی مسکرائے جس کا جی چاہے  
(فضل کھنوی)

بحوالہ کتاب سفینۂ حیات صفحہ نمبر ۴۴۲ جلد ایک کے حوالہ سے مولانا آغا مہدی کھنوی نے حضرت عباسؓ علمدار کا ایک معجزہ تحریر کیا ہے کہ ۱۹۴۲ء کا واقعہ ہے کہ کچھ لوگ ایک عرب کو حرم حضرت عباسؓ علیہ السلام میں لائے اور کہا کہ تم اب حضرت عباسؓ کی قسم کھا کر کہو کہ تم نے ایک دینار نہیں لیا ہے۔ اس شخص نے قسم کھائی کہ میں نے ایک دینار نہیں لیا۔ اس ہی وقت ایک زوردار طمانچہ اس کے منہ پر پڑا۔ سارے لوگ حیران رہ گئے جھوٹی قسم کھانے کی سزا فوراً مل گئی۔ اور بحالت خراب اس شخص کو روضۃ مبارک سے نکال دیا گیا۔ اس قسم کا انتباہ بالکل بر محل ہے اگر صاحبِ مزار کی طرف سے چشم پوشی ہو تو وقار شہداء گھٹتا ہے اور بڑھتی ہوئی جرات سے نظام زندگی میں خلل ہو گا اور حرمت بھی برباد ہوتی ہے۔



## علم مبارک حضرت عباسؓ علمدار کا معجزہ

بھائی نے جس کے لے کے علم جوشِ جنگ میں  
اتنا کیا بلند کہ طوٹی بسنا دیا  
(مولانا قیس زنگی پوری)

بھرت پور مشرقی راجپوتانہ ایک ریاست ہے۔ یہاں پر جاٹ خاندان کی حکومت تھی۔ مسلمان بہ اعتبار قابلیت اعلیٰ اور ذمہ دار عہدوں پر فائز تھے۔ خصوصاً سادات کو یہاں لوگ بڑی عزت اور احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ ایک دفعہ پوری ریاست میں ایک آفت اور مصیبت نازل ہو گئی۔ جس نے ریاست کے تمام باشندوں کو پریشان کر دیا۔ یہ آفت سادات کی وجہ سے دور ہو گئی۔ جب سے سادات کی عزت میں اور اضافہ ہو گیا۔ واقعہ کچھ اس طرح ہے۔

### برسات کے پورے موسم میں بارش نہیں ہوئی

۱۹۲۷ء کا واقعہ ہے کہ ریاست بھرت پور میں برسات کے پورے موسم میں بارش نہیں ہوئی جس کی وجہ سے باشندگان ریاست قحط کے خطرے سے سخت پریشان ہو گئے۔ اہل ہنود نے ریاست کے اخراجات پر "ہون" (ہندوؤں کی دعا) کرائی۔ لیکن نہ ایک قطرہ بارش ہونا تھی نہ ہوئی۔ اس کے برخلاف سبز رنگ کے ٹڈے فضا اور زمین پر نظر آئے۔ ہندو مذہب کی ایک مخصوص عبادت اور شب بیداری (اکھنڈ کیرتن) بھی مسلسل تین شب روز جاری رہی اور راجہ اندر کو جو اہل ہنود کے مطابق بارش کا

دیوتا ہے۔ بید مارے گئے۔ لیکن تمام کوششیں بے سود ثابت ہوئیں  
مایوسی ان کے چہروں سے آشکار تھی۔ بارش کے لئے مخصوص عبادت  
(نماز استسقاء) لیکن بے سود۔

اسی طرح ریاست کے اہل سنت حضرات نے نماز جمعہ کے بعد بارش  
کے لئے دعائیں مانگیں اور عید گاہ میں نماز استسقاء ادا کی لیکن کوئی نتیجہ  
برآمد نہ ہوا۔

### جلوسِ علم حضرت عباسؓ علمدار

آخر کار اہل تشیع حضرات نے ریاست کے صدر "سٹرین کاک" سے  
جلوسِ علم مبارک حضرت عباسؓ کو بلا جانے کی اجازت چاہی۔ جو منظور ہوئی  
لہذا ۲۹ اگست مطابق ۱۱ جمادی الثانی ۱۳۵۷ھ کو کیشنبہ تھا۔ چلچلاتی  
دھوپ اور جھلسا دینے والی ٹوپل رہی تھی۔ پنڈتوں اور جوتیشوں نے  
۲۹ اگست کے متعلق پیشینگوئی کی تھی کہ اس دن بارش کا قطعی امکان  
نہیں ہے اسی لئے شہر کے تمام شیعہ حضرات نے محلہ گھیر سید صاحب، محلہ بدہ  
کی ہاٹ اور محلہ ندیا سے دن کے دو بجے حضرت عباسؓ علمدار کا علم جلوس  
کی شکل میں برآمد کیا اور کر بلا کی جانب جو شہر سے تین میل کے فاصلہ پر واقع  
تھا روانہ ہوئے جلوس کے شرکاروں کو حوصلہ خوانی کرتے سینہ زنی کرتے ہوئے اور  
بازار کے مخصوص مقامات سے گزرے۔ جب جلوس شہر پناہ کی حدود سے  
نکل گیا تو باد مخالف شدت سے چل پڑی۔ ٹوکے پھیرٹوں نے شدت اختیار  
کر لی۔ لیکن اہل جلوس بے نیازی کے ساتھ ماتم کرتے ہوئے کر بلا کی سمت  
رواں تھے۔ اسی طرح یہ جلوس کر بلا میں شام کے چھ بجے پہنچ گیا۔  
جب تک بارش نہیں ہوگی۔ ماتم ختم نہیں ہوگا۔



جونہی جلوس کر بلا پہنچا۔ ہوارک گئی۔ ماتمی دستہ اس مقام پر جہاں  
ترتیبیں دفن ہونی تھیں جمع تھا اور نصف گھنٹہ سے ماتم حسین میں مشغول  
تھا۔ ہائے عباسؑ یا عباسؑ کی صدا سے کربلا کی زمین لرزہ بر اندام تھی  
معززین نے اعلان کیا کہ جب بارش نہیں ہوگی۔ ہم سیدہ کے لال  
کا ماتم اسی طرح کرتے رہیں گے۔ اور ماتم کو ختم نہیں کریں گے۔

بزرگ حضرات دعاؤں میں مشغول تھے جو ان ماتم  
بارانِ رحمت :- کر رہے تھے کہ یکایک بھرت پور کے شمال میں بھوڑ

رنگ کی گھٹا نظر آئی اور چشم زدن میں پوری ریاست پر محیط ہو گئی اور  
موسلا دھار بارش شروع ہو گئی۔ یہ نظارہ قابل دید تھا۔ جتنی شدت  
سے بارش ہو رہی تھی۔ مومنین اسی جوش و عقیدت کے ساتھ ماتم کر رہے  
تھے۔ یہ بارش اس قدر خشک اور سرد تھی کہ بہت سے بچے اور ضعیف العمر  
شخص اس کی تاب نہ لاسکے۔ اور کانپنے لگے۔ ہر چہاں طرف پانی ہی پانی  
تھا۔ جسے اچ انفرطی کے افسران نے جو کوٹھی موٹی بھیل میں مقیم تھے  
متاثرین کو کھیل اور آگ فراہم کی اور انھوں نے واضح الفاظ میں کہا کہ  
شیعوں کے دیوتا کائنات پر پورا تصرف رکھتے ہیں۔ کیونکہ وہ خدا کے  
بزرگ و برتر کے مطیع اور اس کے احکامات کی پوری پوری پابندی فرماتے  
تھے اور اپنی زندگیوں اس کی راہ میں قربان کر دی۔

بارش ختم ہونے پر جلوس کربلا سے واپس ہوا تو شہر کی سڑکوں پر  
اب بھی پانی بہہ رہا تھا۔ دوکاندار بلا لحاظ مذہب ملت شرکاء جلوس کو  
شہر میں داخل ہوئے دیکھ کر دوکانوں سے اتر پڑے اور ایک ہندو بیٹے  
نے دوسرے بیٹے سے باوا بلند کہا لالہ دیکھ یہ ہیں جو پیاسے سے پانی  
مانگنے گئے تھے اور پیاسے نے بھی ایسا دھواں دھار پانی برسایا کہ

بجا آ گیا اور وہ شیعوں کے اماموں کی عظمت و اختیار کے قائل ہو گئے۔  
اس سال میں صرف یہی ایک بارش ہوئی جو پورے سال کی ضرورت  
کے لئے کافی ثابت ہوئی اور ریاست کو قحط سے بچالیا۔ صدر ریاست  
مسٹر ہین کاک اور والی ریاست ہمارا جہاں براج اندر سنگھ اور اعلیٰ احکام  
بہت متاثر ہوئے اور بارش کی برکت کے لئے شیعہ حضرات کے نمونے ہوئے۔  
دوسرے دن شیعہ حضرات نے بڑی زبردست کربلا میں مجلس منعقد  
کی جس میں تمام شہر کے لوگوں نے شرکت کی۔ یہ تھی غازی عباسؑ علمدار  
کی غیبی مدد جس نے ریاست میں شیعوں کی عزت رکھ لی۔ (صلوٰۃ بر محمد و  
آل محمد علیہ السلام۔ بحوالہ کتاب تاریخ ظلم گنج شہیداں۔ صفحہ نمبر ۲۰ تا ۲۲  
از فیض بھرت پوری۔)

معجزہ نمبر (۱۰)

## ترکی فوج کے سپاہی کو اس کی گستاخی کی سزا فراموشی

بازو جو کٹ گئے ہیں تو عباسؑ ہیں نہ تھا

آنکھیں ہیں بند مشک کا تسمہ دہن میں ہے

(عبدالودود شمس)

جناب آغا مہدی صاحب قبلہ اپنی کتاب سوانح حضرت عباسؑ علمدار  
صفحہ ۲۵۱ میں تحریر فرماتے ہیں کہ ان کے چچا عالیجناب سید ابوالحسن صاحب  
پرنسپل مدرسۃ الوداعین کھنؤ نے کربلائے معلیٰ کا ایک واقعہ بتایا کہ ۱۳۲۷ھ  
کے حدود میں ترکی کی فوج عراق میں آئی۔ ایک فوجی آلات حرب کے ساتھ  
روضہ امام حسین علیہ السلام میں داخل ہونے لگا۔ خدا مومن نے منع کیا کہ  
ہتھیار اتار دیجئے۔ پھر روضہ کے اندر جائیے۔ لیکن یہ سپاہی نہ مانا۔ بلکہ



ہتک آمیز الفاظ میں کچھ فقرے ادا کئے۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ صاحبِ جنا  
مزار مشیتِ خاک ہیں اور رعب کے ساتھ روضہ امام عالی مقام میں  
داخل ہوا۔ ابھی وہ دروازے کے اندر داخل ہی ہوا تھا کہ اس مغرور  
شخص کے منہ پر ایک زور طمانچہ پڑا جس سے اس کا منہ پھر گیا اور جو  
پستول کر میں وہ لگائے ہوئے تھا اس سے از خود گولی چلی۔ گولی کی آواز  
نے ہنگامہ برپا کر دیا۔ سپاہی زخمی ہو کر زمین پر گر لوگ اس کو اٹھا کر  
حرم سے باہر لے گئے۔ اس وقت خون اس کے جسم سے جاری تھا اور  
تھوڑی دیر کے بعد واصلِ جہنم ہو گیا۔ اس کی موت پر خدام اور اہل علم  
کو حیرت تھی کہ امام مظلوم کے روضہ میں ایسا پرہیت واقعہ کبھی ظاہر  
نہیں ہوا۔ اس ہی دن شب میں خداموں اور عالم وقت کو بشارت  
ہوئی کہ وہ بے ادب سپاہی حرم مبارک میں داخل ہو رہا تھا اس وقت  
بھائی کی خدمت میں بھائی حاضر تھا۔ یعنی مولانا حضرت عباسؑ روضہ  
مبارک امام حسینؑ پر حاضری دینے آئے ہوئے تھے۔ آپ اس کی گستاخی  
برداشت نہ کر سکے فوراً اس کو اس کی نازیبا حرکت پر سزا دی۔

بھائیوں ہم کو معلوم ہونا چاہیے کہ واقعہ کربلا کے وقت ناصر ان  
حسینؑ نے کبھی دشمن کو امام عالی مقام کی خدمت میں آلاتِ حرب کے ساتھ  
آنے کی اجازت نہیں دی تھی۔ جب کبھی کوئی شخص امامؑ کے پاس آتا تھا  
تو یہ جان نثار فوراً اس کے ہتھیار اس کے جسم سے جدا کر دیتے تھے۔ پھر  
کہیں جا کر وہ شخص امامؑ کی خدمت میں حاضر ہو سکتا تھا۔ بھلا آج  
عباسؑ اس روایت کو کس طرح توڑ دیتے۔ جبکہ آپ مظلوم کربلا کے روضہ  
میں زیارتِ امامؑ کے لئے آئے تھے پھر اس گستاخ کو یہ  
"عباسؑ کی وف کوئی پوچھے حسینؑ سے"

حملہ آوروں نے کہا بلاؤ اپنے عباسؑ کو کہاں میں آ کر مدد کریں

دریائے وفا کے ثناور ہیں عباسؑ لاکھوں میں ہیں بے مثل دلاور عباسؑ  
ٹل جائے ہر ایک بلا، بہ فیض عباسؑ ہو جائیں اگر کسی کے یا ور عباسؑ  
(مولانا سید اختر علی مرحوم)

کراری ضلع الہ آبادیو۔ پی بھارت میں سادات کی ایک مشہور بستی  
ہے اسے عہدِ دیرینہ میں سید حسام الدین نے جو کہ جناب امام محمد تقیؑ ان  
حضرت علی الرضا علیہ السلام کی اولاد سے تھے۔ ۱۳۷ھ میں جنگِ کربلا کے  
اس شہر کو آباد کیا تھا۔ سید حسام الدین صوبہ متھرا کے گورنر تھے اور بعد  
میں کمانڈر انچیف مقرر ہوئے تھے۔ اسی دوران میں ریاست کو سمجھ کر کے  
واپس الہ آباد جاتے ہوئے کراری کو آباد کیا۔ ان کی تقریباً تمام اولادیں  
ہمیشہ زمیندار رہی ہیں۔ علم و فضل اور شجاعت و سخاوت ان کی نسل کا خاص  
ہے۔ ان کی اولاد میں سید اعظم بھی گزرے ہیں جو صوبہ مونگیر کے گورنر  
تھے اور علامہ قاری سید امیر حسن جلیسی قابل ترین ہستی کا تعلق بھی اسی علاقہ  
سے تھا۔ آپ ملکہ وکٹوریہ کے زمانہ حکومت میں عہدہ قضا پر فائز تھے۔  
سید حسام الدین کی اولاد نے بڑا عروج پایا جو بہت ہی کم کسی بستی کے لوگوں  
کو نصیب ہوا۔ اس بستی میں سادات کے علاوہ دیگر مسلمانوں اور ہندوؤں  
کی بھی آبادی ہے۔ لیکن سادات کا گھرانہ ہمیشہ ان سب لوگوں پر حکومت  
ہی کرتا رہا۔ اس علاقہ میں غیر سید اور غیر شیعہ کبھی بھی زمینداری حاصل  
نہیں کر سکے اور مسلمانوں کی تمام آبادی سادات کی خدمت گار کی حیثیت  
سے آباد رہی ہے۔ کچھ عرصہ کے بعد یہاں دیگر لوگوں نے بھی زمینداری حاصل



کر لی۔ جس کی بنا پر ان کے ملاؤں نے علاقے میں بد امنی پھیلانی شروع کر دی اور مذہبی اختلافات کو ہوا دینا شروع کیا اور علاقے میں ایسی کیفیت پیدا کر دی کہ ہر دم مسلمانوں کے دونوں فرقے ایک دوسرے سے برسر پیکار رہنے لگے۔ بعض اوقات یہ مٹلا ایسی کیفیت پیدا کر دیتے تھے جس کی وجہ سے فسادات رونما ہو جاتے تھے۔ اکثر بلوے بھی اٹھ کر ہوئے ان مذہبی اختلافات نے اتنا زور پکڑا کہ ۱۹۲۳ء میں ایک زبردست بلوہ ہو گیا۔ جس کی مکمل روئید کتاب ”بلوہ کراری“ ۱۹۲۵ء مصنفہ سید ریاض حسین (مروم) قلمی میں پڑھی جاسکتی ہے۔ اس کے علاوہ اس عظیم بلوہ کے سلسلہ میں فخر الملت عالیجناب سید ارتضیٰ حسین حنا سابق نے ناظم شیعہ مشن پر گنہ کراری ضلع الہ آباد تحریر فرماتے ہیں کہ ۱۹۲۱ء میں جبکہ خلافت کمیٹی کا ہندوستان میں زور تھا ذمہ دارانِ خلافت کمیٹی الہ آباد نے چاہا کہ شیعانِ کراری کو اپنے میں جذب کرالیں لیکن شیعہ کلیتاً اس سے علیحدہ رہے اور ان کی تمام تر غیبوں اور ترکیبوں کے باوجود ان میں شامل نہ ہوئے۔ جس کے رد عمل میں انھوں نے شیعہ سنی فساد کرنا ضروری سمجھا اور اس کے لئے انھوں نے تبرہ کو بہانہ قرار دیا اس طرح شہر میں بلوہ کرنے کی سعی کی لیکن اس زمانہ میں محسن علی سب انسپکٹر (سنی مذہب) جو کہ تھا نہ منجھن پور میں تعینات تھے بغرض انتظام کراری تشریف لائے اور واپسی پر جا کر انھوں نے جنرل ڈائری میں رپورٹ درج کی کہ ”کراری کے شیعہ سنی میں کشیدگی ہے اور کچھ اہل سنت انھیں آپس میں لڑانا چاہتے ہیں۔ میں نے اپنی عہدہ عملی سے اس سال فساد نہیں ہونے دیا۔ تاہم کچھ خطوں اور جولاہوں نے جو اپنا تعزیر شیعوں کے ساتھ مل کر اٹھاتے تھے اس سال نہیں اٹھایا

ہے اور اس سلسلے میں کچھ کہا نہیں جاسکتا کہ آئندہ سال حالات کیا صورت اختیار کرتے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ شیعوں کے گلی کوچے میں تبرہ کہنے کی وجہ سے سنیوں کی دل آزاری ہوتی ہے۔ لیکن یہ امر بھی قطعی اور یقینی ہے کہ یہ عمل قدیم الایام سے ان لوگوں میں جاری ہے۔ محسن علی کے تبدیل ہونے کے بعد گنگا دھر راؤ انسپکٹر اور یاؤرا سنگھ سب انسپکٹر تعینات ہوئے ان حضرات نے گاؤں کے چند پائیسوں کا دفعہ نمبر ۱۱ میں چالان کر کے شیعوں کی گواہی چاہی۔ شیعوں کے مسلمہ ایڈر جناب سید مظاہر حسین صاحب امیر صدر نے شیعہ گواہ گزارنے سے بائیل انکار کر دیا جس کی وجہ سے وہ جل جہنم گئے اور انھوں نے کہا کہ اب ہم جو کچھ کریں اس کی شکایت نہ کیجئے گا۔

سال گذشتہ کے محرم کی رپورٹ سالانہ تھا نہ میں موجود تھی اس میں ان لوگوں نے عبداللہ خاں نائب تحصیلدار منجھن پور کے مشورہ سے نہ جان کیا تغیر کر دیا کہ اس رپورٹ پر حاکم ضلع نیو بی حنا (انگریز) سپرنٹنڈنٹ پولیس نے حکم جاری کر دیا کہ اس سال منجھن مونی اور کراری میں ۱۰ محرم کو تبرہ یعنی قاتلانِ حسین اور دشمنانِ آل محمد کو بُرا نہ کہا جائے۔ یہ حکم ۸ محرم ۱۳۴۱ھ کو کراری پہنچا۔ حالانکہ اس سے قبل کی تاریخوں ۵، ۶ اور ۷ محرم کو جلوس ذوالجناح و تابوت میں تبرہ ہو چکا تھا۔ اس حکم کے خلاف جناب کلکٹر صاحب کے روبرو درخواست دی گئی۔ اس پر مسٹر گوپی ناتھ ڈپٹی کلکٹر کراری آئے اور انھوں نے ہمارے حقوق کو تسلیم کر لیا اور حکم صادر

لے ”تبرہ سے مراد دشمنانِ آل محمد اور قاتلانِ امام حسین سے بیزاری ہے نہ کہ کسی فرقہ کے بزرگوں کو بُرا بھلا کہنا“



فرمایا کہ خاموشی کے ساتھ آپ لوگ دشمنانِ آلِ محمد اور قاتلانِ حسین علیہ السلام کو بُرا بھلا اہل شیعہ حضرات کہہ سکتے ہیں۔ لیکن لفظِ خاموشی کو اہل تشیع حضرات نے ماننے سے انکار کر دیا اور احتجاجاً جلوس اور تعزیے نکالنے سے انکار کر دیا۔ اس کے نتیجے میں دو ماہ آٹھ دن تک تمام تعزیے امام رکھے رہے اور اسی دوران شیعہ اکابرین نے اس حکم کے خلاف مقدمہ دائر کر دیا اور ثبوتِ دعویٰ کے طور پر اہل ہنود اور اہلسنت حضرات کو پیش کر دیا بالآخر ضلع مجسٹریٹ نے شیعوں کے حق میں فیصلہ دیدیا اور ان لوگوں کو باوازی بلند دشمنانِ آلِ محمد اور قاتلانِ حسین کو بُرا بھلا کہنے کی اجازت مل گئی۔

فیصلہ کے وقت عدالت میں مولوی ولایت حسین اور خان اہلسنت کی طرف سے موجود تھے۔ ان کی زبان سے جہاد کا لفظ نکل گیا جس پر حاکم سخت برہم ہوا اور سپرنٹنڈنٹ کو مکمل انتظام کا حکم دیا۔ بالآخر ۲۹ اکتوبر ۱۹۲۲ء مطابق ۸ ربیع الاول کو بڑی شان و شوکت سے اور بڑے جوش و خروش سے تعزیے اٹھائے گئے۔ اس موقع پر دیگر ضلعوں سے بھی اہل تشیع حضرات زیارت کے لئے شریک ہوئے۔ شہر کے برادرانِ اہلسنت نے مقدمہ ہار جانے کے بعد فیصلہ کیا کہ اب شیعوہ حضرات کو تباہ و برباد کر دیا جائے گا۔ اہل سنت کے مسلک سے تعلق رکھنے والے حکام اور رؤساء نے کراری آکر بار بار اینٹنگ کی اور تمام کنجڑوں، کباریوں، جولاہوں، نائیوں، کاسہ گروں، نانباٹیوں دھوبیوں اور بہشتیوں کو ابھار کر سب سے پہلے شیعہ حضرات کا بائیکاٹ کرایا۔ پھر ایک زبردست بلوہ کرایا۔

یہ بلوہ ۶ رمضان المبارک مطابق ۲۴ اپریل ۱۹۲۳ء بوقت بجے صبح رپورٹ کے مطابق ایک مجلس کے حوالے سے ہوا۔ یہ بلوہ پوری تیاری کے ساتھ کیا گیا۔ اس کا آغاز اس طرح ہوا کہ تقریباً دو ہزار افراد

رات کے وقت کراری اور اس کے اطراف کے قصبہ سے آکر ایک مخصوص مقام پر جمع کئے گئے۔ اور چھپر چھاڑ کے لئے دس افراد رات ہی کو میر مظاہر حسین صاحب رئیس کے مکان کی طرف سے شور و غل کرتے ہوئے گزرے انھوں نے اپنے ملازمین کو حکم دیا کہ ان سرکشوں کو پکڑ لاؤ۔ چنانچہ سب میر صاحب کے پاس حاضر کئے گئے اور معافی مانگ کر چلے گئے۔ میر صاحب کے دروازے کے حدود سے نکل گئے تو گالیاں دیتے ہوئے بھاگ گئے۔

اس واقعہ کی اطلاع میر صاحب نے سید فیض محمد صاحب محلہ شریف آباد کورات ہی رات کرادی۔ لیکن اس واقعہ کو کوئی اہمیت نہیں دی گئی۔ مگر جب صبح کو گھر کا پرانے کے میدان میں بلوائی لوگ آپہنچے تو سید موسیٰ رضی صاحب دوڑے ہوئے محلہ شریف آباد پہنچے اور سید سبط حسن صاحب سے کہا کہ جلدی سے امام باڑے کی طرف چلو بند وقت ساتھ لے لو حملہ آور آگئے ہیں۔ الغرض ادھر سے شریف آباد تلیا کے لوگ ٹہاں پہنچ گئے اور دیگر حضرات بھی ادھر ادھر سے آگئے۔ بلوائیوں نے تین طرف سے ان مختصر سے لوگوں کو جھکی تعداد ۲۴-۲۵ سے زیادہ نہ تھی۔ گھیر لیا جن میں بعض مومنین کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں۔

جناب سید محمد اختر، سید فیض محمد، سید سرور حسین، سید رونق حسین، سید ریاض حسین، سید الرضی حسین، سید سلطان حسین، حسن رضا، سید ظہیر حسن، سید اظہر حسن، سید کاظم حسین، عالم علی عرف بذا، سید کرم حسین، سید سبط حسن، سید موسیٰ رضا، سید نظیر العباس، سید سبط حسن، سید واحد حسین، سید الفدا حسین، میر صدر، سید آباد حسین، سید نظر عسکری، سید بشارت حسین، سید ظہیر عباس وغیرہ۔



بلوایوں نے ان سنی فاطمہ کو گھیر کر پہلے ایک مسجد کی اینٹیں نکال کر خشت باری کی اور اس شدت سے خشت باری کی کہ کہنہ مسجد اپنی بیخ دین سے ختم ہو گئی۔ اس کے بعد آگے بڑھ کے لاٹھیوں سے حملہ کیا۔ اب کیا تھا فرزند ان فاطمہ پوری جرأت کے ساتھ میدان میں کود پڑے اور دلیری کے ساتھ لڑے کہ ان کے چھکے چھوٹ گئے۔ ان حیدری شیروں نے تین بار بلوایوں کو امام بارگاہ کے اطراف سے بھگا کر بلا کے قبرستان تک پہنچا دیا۔ بالآخر مولوی عبد الستار جو کہ ان کا لیڈر تھا اس نے واپس آتے ہوئے راستہ میں حلف اٹھایا کہ اس حملہ میں سب کا خاتمہ کر دوں گا اور مظاہر حسین کا سر لاؤں گا۔ الغرض شکست خوردہ پھر واپس آیا اور اس نے لاٹھیوں سے جنگ شروع کر دی۔ اس جنگ میں سید محمد اختر، سید سرور حسین، اور سید ظہیر حسن بہت زیادہ زخمی ہو گئے۔ بالآخر سید بشارت حسین صاحب نے سید محمد اختر حسین کا ہاتھ پکڑ کر انھیں اپنے مکان کے چبوترے پر چڑھا لیا اور ان سے کہا کہ بیٹھ کر بندوق سے قائل کرو۔ مولانا نجم الحسن کراروی صاحب مرحوم اور ڈاکٹر سید ناصر حسین جو کہ اس وقت یہاں کسمن تھے اس چبوترے کے نیچے کھڑے ہوئے تھے۔

مولانا نجم الحسن صاحب کراروی مرحوم کا بیان ہے کہ بھائی محمد اختر کے جسم سے اس قدر خون نکل چکا تھا کہ وہ بندوق چلاتے وقت اونگھ جاتے تھے اور سید بشارت حسین صاحب جھنجھوڑتے اور چونکاتے تھے اسی دوران میں ایک اینٹ کو ٹھے پر سے آگرا نگوٹھے پر لگی اور بندوق زمین پر گر گئی سید بشارت حسین صاحب نے پھر بندوق اٹھا کر دی اور سید محمد اختر نے سنبھل کر فائر کیا تو ایک کھٹنا نامی جولا ہا زمین پر گرا۔ اس کے لڑکے نے بڑھ کر حملہ کرنا چاہا تو محمد اختر نے دوسرا فائر کر دیا۔ جس سے وہ گر پڑا۔

ادھر ایک بڑے گروہ نے تھوڑے سے آدمیوں کو گھیرے میں لے کر مار ڈالا جاہا۔ اسی دوران میں سید فیض محمد کے سر پر سولہ لاٹھیاں پے در پے لگیں اور وہ گر پڑے اتنے میں ان کے منجھل لڑکے سید نذر العباس ان کے اوپر لیٹ گئے تاکہ مزید زخم ان کے نہ لگنے پائیں اسی دوران میں مولانا بعد الستار ایک موٹا سا ڈنڈے ہوئے ان کے قریب پہنچ گیا اور اس نے چاہا کہ ایک ہی وار سے فیض محمد صاحب کی زندگی کا فیصلہ کر دے اتنے میں ان کے منہ سے یہ نکلا۔ "بلاؤ عباس کو کہاں ہیں آکر مدد کریں۔"

یہ الفاظ اس کے منہ سے نکلے تھے کہ عالم علی بداجو کہ سید انصار حسین کے دالان کے ایک کھمبے میں بندوق لئے پھیسے تھے۔ ان کے کان میں کسی نے کہا فائر کر دو۔ وہ فوراً نکل پڑے اور اس کے سینے پر فائر کرتے ہوئے کہا۔ "یہ اے حضرت عباس"

اس کے ادھر گولی لگی ادھر سید محمد اختر نے دوسرے پر فائر کیا ہی تھا کہ بھگدڑ مچ گئی۔ اس کے بعد لوگ زخمیوں کو اٹھا کر میر مظاہر حسین صاحب امیر صدر کے مکان پر لائے۔ سید فیض محمد صاحب جو کہ مولانا نجم الحسن کے والد تھے انھیں مولانا کے نانا مظاہر حسین اور بھوپتی زاد بھائی سید محمد اختر پکڑ کر گھر لے گئے۔ اسی دوران میں بلوایوں نے محمد لوی سید محمد عباس صاحب کو ان کے گھر پر جا کر قتل کر دیا۔ اس کے بعد سید رونق حسین صاحب منجھن پور میں جا کر رولر ٹ درج کرائی اور پولیس آگئی اور گرفتاریاں شروع ہو گئیں۔ ۴۱ شیعہ اور ڈیڑھ سو دیگر حضرات گرفتار ہو گئے۔ ان لوگوں کو پہلے حوالات میں پھر جیل میں پہنچا دیا گیا اور مقدمہ چلنے لگا۔ کچھ شیعہ لوگوں کوڑ سے چھوٹے کچھ سیشن سے ۲۸ شیعوں کو کالا پانی اور میر سید مظاہر حسین صاحب امیر صدر سید محمد اختر اور عالم علی کو سزائے موت کا حکم سیشن عدالت نے



سنایا۔ پھر بائی کورٹ میں اپیل دائر کر دی۔ ۲۹ مارچ ۱۹۲۲ء کو میر  
مظاہر حسین بے داغ بری ہوئے اور عالم علی کو ایک سال کی سزا ہوئی  
اور محمد اختر کو ۱۴ سال کی سزا ہوئی۔ کیونکہ انھوں نے سب کے قتل کا ایک  
خواب کی وجہ سے اقبال کر لیا تھا۔ دس شیعوں کو ایک ایک سال کی  
سزا تجویز ہوئی۔ شیعوں کی طرف سے ہری موہن، بیرسٹر اور مسٹر پوائے  
بیرسٹر کے علاوہ دیگر شیعہ وکلاء نے وکالت کی جبکہ دیگر لوگوں کی طرف سے  
سیٹھ چھوٹا بھائی اور دیگر رؤساء ملک نے حصہ لیا۔

یہ مولانا عباس علی عابدی کی غیبی مدد تھی کہ اتنے بڑے حملہ آوروں کو چند  
مومنین نے مار کر بھگا دیا۔ اور بعض شریکوں کو ہمیشہ کے لئے سلا دیا۔  
یہ مقدمہ جب چلا تو اس میں خصوصی طور پر مومنین کراری، مومنین پرگنہ،  
اور یو۔ پی ہندوستان کے اہل تشیع حضرات نے بھرپور حصہ لیا۔ جس میں  
حجۃ الاسلام شمس العلماء مولانا سید نجم الحسن صاحب قبلہ، والی ریاست  
رامپور، مولانا سید محمد دہلوی، راجہ منظور حسین انبالہ، ٹھاکر ستیلا بخش سنگھ،  
مینجر ریاست ٹانڈہ، مولوی حیدر مہدی، وکیل ظفر مہدی بیرسٹر، بیرسٹر  
نواب مہدی حسن لکھنوی، تفضل حسین جوینپور، ڈاکٹر سید جعفر حسین کراری  
ڈی لٹ لندن، چودھری غلام حیدر منجم پور، سید محمد عباس موٹی، سید  
محمد یعقوب کراری، سید امیر الاعظم، محمد مظہر سید، سید علی اصغر، سید نصیر اللہ  
سید وصی حسن قابل ذکر ہیں۔

(بحوالہ ذکر العباس علیہ السلام از مولانا سید نجم الحسن کراری صاحب مرحوم)

سُونے کا طوق خود بخود گلے سے نکل کر چھت لگ گیا

سقائے حرمؑ جب قتل ہوا خیموں میں اور اسی پھیل گئی  
بچوں نے نہ پھر مانگا پانی گویا تھہ میں خالی جام رہے (قرار لکھنوی)  
کتاب موسع الغوم صفحہ نمبر ۴۳ تا ۴۵ سن طبعات ۱۲۹۳ء لکھنؤ اور  
کتاب ذکر العباسؑ از مولانا سید نجم الحسن کراری مرحوم صفحہ ۴۳ تا ۴۴  
کربلائے معلیٰ کے رہنے والے سید عباس طباطبائی بیان کرتے ہیں کہ میں  
مشغول درس تھا کہ ایک روز ایک شور مچا کہ حضرت عباس علیہ السلام  
کے روضہ میں معجزہ ہوا ہے یہ سنکر استاد محترم نے درس سے ہم لوگوں کو  
فارغ کر دیا میں دوڑا ہوا روضہ حضرت عباسؑ پہنچا، وہاں جا کر دیکھا کہ  
روضہ کے اندر بہت سے حضرات جمع ہیں اور سب کے سب بالکل خاموش  
ہیں اور ایک عورت فرش پر بیہوش پڑی ہے۔ میں نے لوگوں سے پوچھا  
کہ کیا معجزہ ہوا ہے اور اس عورت کو کیا ہو گیا ہے مگر کسی شخص نے کوئی  
جواب نہیں دیا۔ سب کے سب بالکل خاموش کھڑے رہے۔ بہت دیر کے  
بعد ایک شخص نے چھت کی طرف اشارہ کیا تو میں نے دیکھا کہ ایک طلائی  
طوق ایک قندیل سے چھپکا ہوا ہے اور قندیل حرکت میں ہے۔ تھوڑی  
دیر کے بعد اسی بیہوش عورت کے رشتہ دار آگئے۔ اور انھوں نے بڑی  
آہ و زاری کے ساتھ مولانا عباسؑ کی خدمت میں فریاد کی کہ مشکلا کشتا کے  
فرزند کو رحم آگیا۔ عورت فوراً ہوش میں آگئی۔ دریافت کرنے پر اس عورت  
نے جو بیان دیا وہ سنئے۔

اس عورت کا بیان ہے کہ اس کا لڑکا جو اس وقت اس کے پاس



بیٹھا تھا۔ ایک بار علیل ہو گیا تھا اور میں نے منت مانی تھی کہ یہ طوق گرے  
جو میری گردن میں ہے اپنے لڑکے کی صحت پر نذر حضرت عباس علیہ السلام  
پر کروں گی۔ اب جبکہ میرے اس لڑکے کو کامل صحت مل گئی تو میں طوق  
صخر مبارک حضرت عباسؑ پر چڑھانے کے لئے لائی تھی۔ ابھی طوق  
کو گلے سے اتارنے نہ پائی تھی کہ یک بیک یہ خیال پیدا ہو گیا کہ چونکہ یہ  
کافی وزنی اور قیمتی ہے لہذا اس کے بجائے کچھ سونا چڑھاؤں گی۔ میرے  
ذہن میں اس خیال کا آنا تھا کہ میں نے ایک پرچھائیں سی دیکھی اس کے  
بعد میں بے ہوش ہو گئی۔ پھر مجھے نہیں معلوم کہ کیا ہوا۔

### مجزہ نمبر (۱۳)

حضرت عباسؑ نے لڑکے کے کٹے ہوئے بازو جوڑ دیئے۔

ہم چاند پر حسینؑ کا غم لیکے جائیں گے عباسؑ نامور کا علم لیکے جائیں گے  
کتاب جزن المؤمنین میں ہے کہ عرب عجم کے دستور کے مطابق عباسؑ آباد  
شہر میں مومنین نے یوم عاشورہ شبیہ حضرت عباسؑ بنانے کا فیصلہ کیا۔  
اس کے لئے وہ نیک قسم کے نوجوان کی تلاش میں تھے۔ ناگاہ ایک مرضی  
کے مطابق نوجوان نظر آیا۔ اس سے انھوں نے اپنے مقصد کو ظاہر کیا وہ  
بہت خوش ہوا اور شبیہ بننے پر تیار ہو گیا۔ الغرض اس کو شبیہ عباسؑ  
بنا کر انھوں نے مراسم غم ادا کئے اس واقعہ کی اطلاع اس کے باپ کو ہو گئی  
جو سخت ترین ناحی تھا۔ جب یہ نوجوان گھر گیا تو اس کے باپ نے واقعہ  
پوچھا۔ اس نے سب واقعہ سنایا۔ باپ نے پوچھا تو کیا عباسؑ کو دوست  
رکھتا ہے اس نے کہا بیشک۔ یہ سنکر اس نے تلوار اٹھائی اور اس کے

دونوں ہاتھ جدا کر کے کہالے۔ اب تو صحیح تصویر بنا ہے۔ وہ غریب  
اس صدمے سے زمین پر لوٹے لگا۔ یہ دیکھ کر اس کی ماں سر پیٹی ہوئی  
قریب آئی اور فریاد و فغاں کرتی ہوئی بولی کہ اے ظالم تو روزِ محشر سوچنا  
اور حضرت فاطمہ زہراؑ کو کیا جواب دے گا۔ اس نے کہا کیا تو ان لوگوں  
کو دوست رکھتی ہے اس نے جواب دیا کہ بیشک ان پر ہمارا ایمان ہے  
یہ سنکر اس ظالم نے اس عورت کی زبان کاٹ دی اور اس کی آغوش  
میں بیٹے کو ڈال کر کہا کہ جا قیامت کے دن تو اپنی بی بی فاطمہؑ اور عباسؑ  
سے شکایت کر کے مجھ کو عذاب میں مبتلا کر دینا اس کے بعد ان دونوں  
کو گھر سے نکال کر دروازہ بند کر دیا۔ وہ مومنہ اپنے لڑکے کو اپنے  
ہمراہ ہاتھوں سمیت ایک عزاخانہ میں چلی گئی اور اپنے بیٹے کو زیر منبر ڈال  
کر قریب بیٹھ کر محو گریہ و بکا ہوئی۔ صبح کے قریب چند بیبیاں سیاہ پوش  
ظاہر ہوئیں اور اس سے رونے کا سبب دریافت کیا۔ اس نے ہاتھ  
کے اشارے سے زبان کے کٹنے کا حال ظاہر کیا۔ انھوں نے فرمایا غم  
نہ کر سب ٹھیک ہو جائے گا۔ اس کے بعد ان عورتوں میں سے ایک بی بی  
نے اس کی زبان کا ٹکڑا زبان سے ملا کر اپنا لعاب دہن لگا دیا وہ ٹھیک  
ہو گئی۔ اس کے بعد یہ بیبیاں جانے لگیں اس مومنہ نے ان کا دامن پکڑ  
لیا اور کہا کہ میرا لڑکا زیر منبر پڑا ہے اسے بھی درست کر دیجئے۔ انھوں  
نے فرمایا اس کو حضرت عباسؑ نے ٹھیک کر دیا ہوگا تو جا کر اپنے لڑکے  
کو دیکھ لے۔ یہ مومنہ فوراً اٹھ کر اپنے بیٹے کی طرف گئی۔ منبر کے پاس  
اس کا سچہ ٹھیک ٹھاک حالت میں بیٹھا ہوا تھا۔ یہ مومنہ اسی وقت  
ان بیبیوں کے پاس آئی اور دریافت کیا کہ آپ کون ہیں ان میں سے  
ایک معظمہ نے کہا میں حسینؑ کی دکھیاری ماں فاطمہؑ ہوں۔ اس کے بعد



ایک دن بازار میں جا رہا تھا کہ میری نظر ایک ایسے شخص پر پڑی کہ جس کا چہرہ متغیر تھا جو مکروہ صورت تھا۔ زبان خشک منہ سے باہر نکلی ہوئی تھی وہ عصا کے سہارے سے راستہ چل رہا تھا اور بھیک مانگتا پھر تا تھا میں نے جو بھی اس حال میں دیکھا میرا بدن لرز اٹھا۔ میں اس کے قریب گیا اور اس سے پوچھا تو کہاں کا رہنے والا ہے اور کس قبیلے سے تعلق رکھتا ہے۔ اس نے میری طرف توجہ کئے بغیر اپنی راہ میں نے اسے قسم دیکر پوچھا کہ تو اپنا حال بتا کہ تیری شکل اتنی مکروہ کس طرح ہو گئی ہے کہ جس کو دیکھ کر کراہیت آتی ہے اور خوف آتا ہے۔ اس نے کہا بھائی میرا حال نہ پوچھو اور مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔ میں نے کہا کہ میں ہرگز نہ مانوں گا جب تک تو مجھ کو اپنے حال سے آگاہ نہیں کرے گا۔ اس نے کہا کہ اگر تم نہیں مانتے تو پھر پہلے مجھے کچھ کھلاؤ کیونکہ بھوک کی شدت سے میرا حال بہت بُرا ہو رہا ہے میں نہ تو بول سکتا ہوں اور نہ کہہ سکنے کی ہمت ہے کھانا کھانے کے بعد میں اپنی غم آفرین داستان تمہیں سناؤں گا۔ میں اسے اپنے گھر لے گیا اور خوب اچھی طرح اس کی شکم سیری کرائی جب اُسے سکون ہوا تو اس نے اپنی داستان بیان کرنا شروع کی اس نے مجھ سے دریافت کیا کہ تم عمر ابن سعد ملعون ازلی کو جانتے ہو۔ میں نے کہا جانتا ہوں پھر میں نے اس سے کہا کہ تیرا اس ملعون ازلی سے کیا واسطہ۔ اس نے کہا کہ واقعہ کربلا میں اس کا علمدار تھا اور میرا نام ہے اسحاق بن حویہ، اس کے کہنے پر اس کے منہ سے تار کول کی بو آنے لگی۔ پھر وہ کہنے لگا کہ رزم گاہ کربلا میں عمر بن سعد نے مجھے نہر فرات پر تعینات کیا تھا اور مجھے حکم دیا تھا کہ امام حسینؑ کے لشکر میں کسی صورت سے پانی نہ پہنچے دیا جائے۔ چنانچہ میں اس کے حکم کی تعمیل میں ہمہ تن متوجہ ہو گیا اور شب و روز پوری بیداری کی ساتھ

وہ بیسیاں نظروں سے غائب ہو گئیں اس مومنہ کا بیان ہے کہ میں نے لڑکے سے پوچھا کہ کیا واقعہ تیرے ساتھ پیش آیا۔ کس طرح تیرے ہاتھ ٹھیک ہو گئے۔ لڑکے نے کہا میں عالم بیہوشی میں تھا کہ ایک نقاب پوش جوان میرے قریب تشریف لائے اور مجھ کو مخاطب کر کے کہنے لگے گھبرا نہیں سب ٹھیک ہو جائے گا۔ اس کے بعد میرے ہاتھوں کو میرے جسم سے ملا کر کچھ فرمایا میرے ہاتھ فوراً اٹھیک ہو گئے۔ میری تکلیف جاتی رہی۔ میں نے فوراً ان کا دامن تھام لیا اور ان کی خدمت میں عرض کی حضور آپ کون ہیں۔ انہوں نے فرمایا میں "عباسؑ" ہوں میں نے درخواست کی کہ آپ اپنے دست مبارک دیجئے تاکہ میں بوسہ دے سکوں۔ حضور نے فرمایا کہ میرے ہاتھ نہیں ہیں وہ کربلا کے میدان میں اس اسلام پر قربان ہو گئے اس کے بعد وہ نظروں سے غائب ہو گئے۔

عباسؑ آبرو پہ بڑا حرف آئے گا!  
پانی پیا تو نام وفا ڈوب جائے گا (راجہ محمود آباد)

معجزہ نمبر (۱۴)

مشکِ سکینہ کو چھیدنے اور حضرت عباسؑ کے ہاتھ شہید کرنے والا  
اسحاق بن حویہ کا حشر

زندہ دل شیر جری روح وفا ہیں عباسؑ ہر گھڑی شمع امامت کے فدا ہیں عباسؑ  
مرتے دم تک بے پروا نصفت شہ پہ نثار تقویت تھی بھرے گھر کو کراہی ہیں عباسؑ  
(سید مختار عابدی برستی)

علامہ احسان تہرانی لکھتے ہیں کہ عبد اللہؑ ہوا زمی کا بیان ہے کہ میں



امام حسینؑ تک پانی پہنچنے کو روکتا رہا۔ حتیٰ کہ میں نے اپنے لشکر والوں تک کو نہر فرات پر بلا اجازت جانے سے روک دیا تھا۔ کیونکہ مجھے شبہ تھا کہ کہیں ہم میں سے کوئی حقیہ طور پر امام حسینؑ تک پانی پہنچا دے۔ ایک شب کا واقعہ ہے کہ میں بہت پوشیدہ طریقہ سے امام حسینؑ کے ایک خیمہ تک جا پہنچا تاکہ ان کے ارادے معلوم کروں۔ میں چھپا ہوا بیٹھا ہی تھا کہ امام حسینؑ اور حضرت عباسؑ میں گفتگو کی آواز آنے لگی اس بات چیت میں میں نے یہ محسوس کیا کہ دونوں بھائی موجودہ حالات سے بے حد متاثر ہیں۔ حضرت عباسؑ نے حضرت امام حسینؑ سے کہا کہ اے بھائی مجھے اب اطفال میں پیاس کی بیتابی دیکھی نہیں جاتی اور نہ ان کے انتہائی پرورد نالے سے جاتے ہیں۔ میرے آقا اب تک دو خیموں کے اندر کنواں کھود چکا ہوں لیکن پانی دستیاب نہیں ہو سکا۔ حضرت امام حسینؑ نے فرمایا کہ عباسؑ اگر تم ان انسان تمام لوگوں کے پاس جا کر پانی طلب کرو تو کیا ممکن ہے کہ وہ پانی دیدیں۔ حضرت عباسؑ نے عرض کیا مولا کئی بار ایسا بھی ہو چکا ہے جتنی مرتبہ گیا ہوں تیر و شمشیر کے سوا کوئی جواب نہیں ملا۔ یہ سن کر حضرت امام حسینؑ بے حد متاثر ہوئے اور بیساختہ رو پڑے۔ حضرت عباسؑ نے عرض کیا مولا آپ متاثر نہ ہوں میں صبح کو ایک بار پھر سعی بلیغ کروں گا اور انشاء اللہ پانی حاصل کروں گا۔ یہ سن کر حضرت امام حسینؑ نے ان کے حق میں دعلے خیر کی۔ اے عبد اللہ میں یہ تمام باتیں پس پردہ سن کر اپنی جگہ واپس گیا اور میں نے تمام واقعہ عمر بن سعد ملعون سے بیان کیا۔ پھر اس کے بعد بہت سے مددگاروں کو جمع کر کے اس وقت کا انتظار کرنے لگا جبکہ عباسؑ ابن علی علیہ السلام کے آمد کی توقع تھی اے عبد اللہ جب صبح کا وقت ہوا اور کارزارِ کربلا شروع ہو گیا تو وہ موقعہ پیش آیا جس میں عباسؑ ابن علیؑ امام حسینؑ کے

پاس سے روانہ ہو کر طلب آب کے لئے نہر فرات کی طرف آئے وہ اس وقت شیر بہتر کی طرح غضبناک تھے۔ ان کے نہر پر پہنچتے ہی سارے لشکر نے ان پر یکبارگی حملہ کر دیا تیر بارانی کرنے والوں نے تیر برسائے نیزہ مارنے کی سعی کرتے رہے۔ اے عبد اللہ حضرت عباسؑ ابن علیؑ پر اس قدر تیر مارے گئے کہ ان کا بدن سیاہی کے مانند ہو گیا اور جسم پر ان کے تیر ہی تیر نظر آنے لگے۔ مگر وہ بلا کے بہادر تھے۔ انھوں نے اپنی ہمت پست نہیں ہونے دی اور وہ برابر آگے بڑھتے رہے۔ یہاں تک کہ لشکر کو درہم برہم کر کے نہر فرات پر جا پہنچے اور انھوں نے اپنے گھوڑے کو نہر فرات میں ڈال دیا اور چلو میں پانی لیا اور لشکر کی طرف کر کے دکھایا کہ اے فوج یزید ملعون دیکھو تمہارے گہرے پہرے کے باوجود پانی ہماری مٹھی میں ہے لیکن ہم اس کو اس وقت تک نہیں پیئیں گے جب تک میرے آقا حسینؑ اور ان کے بچے نہ پی لیں اور پانی کو دشمن کی طرف اچھال دیا۔ میں نے اس وقت پوری سعی کی کہ عباسؑ پانی نہ پی سکیں۔ میں نے لشکریوں کو حکم دیا کہ اب پوری توجہ سے کام کرو دیکھو اگر عباسؑ نے پانی پی لیا تو پھر ان سے کوئی بھی مقابلہ کسی صورت سے نہیں کرے گا۔

چنانچہ میرے لشکریوں نے پوری توجہ دی اور ان پر حملہ شروع کر دیا وہ مشکیزے کو نہر سے بھر کر برآمد ہوئے اور حملوں کا جواب دینے لگے۔ اے عبد اللہ وہ اس بہادری سے لڑ رہے تھے کہ ہم سب حیران تھے۔ لشکر چاروں طرف سے حملہ کر رہا تھا اور وہ سب کا جواب دے رہے تھے۔ یہاں تک کہ ہمارے لشکر کے ایک ازدی شخص نے جو ایک کمین گام میں چھپا بیٹھا تھا ایک ایسا وار کیا کہ حضرت عباسؑ کا داہنا ہاتھ کٹ گیا اور زمین پر گر پڑا۔ اس وقت انھوں نے بڑی چھرتی کے ساتھ مشک و علم کو بائیں ہاتھ سے



سنبھالا اور جنگ کو جاری رکھا اولوی پوری بہادری سے کثیر افراد کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

اے عبد اللہ ہماری تمام تر سعی اب یہ تھی کہ پانی خیمہ حسینؑ میں پہنچے نہ پائے چنانچہ ہم سب ہی اسی سعی میں پوری طاقت کے ساتھ لگ گئے۔ ناگاہ مجھے موقع مل گیا اور میں ان کے قریب جا پہنچا اور سزے کا ایک ایسا وار کیا کہ مشکیرہ چھد گیا اب میں اس مقام سے دور جانا چاہتا تھا کہ حضرت عباسؑ نے مجھ پر حملہ کر دیا میں نے اس کے جواب میں ایک ایسا وار کیا کہ ان کا بایاں ہاتھ کٹ گیا اور ایک شخص نے بڑھ کر گزرا ہنی سے ان کے سر کو شکافتہ کر دیا۔ دریں اثنا وہ گھوڑے سے زمین کی طرف چلے اور انھوں نے امام حسینؑ کو آواز دی۔ عباسؑ کی آواز سن کر امام حسینؑ ان کی طرف عقاب کی تیزی کی طرح نہایت سرعت سے پہنچے راستہ میں لوگ حائل ہوئے ان کو شمشیر سے دوڑ کیا اور وہاں پہنچ کر جناب عباسؑ کی حالت دیکھ کر بہت روئے۔ اے عبد اللہ انھوں نے حضرت عباسؑ کو اس حالت میں دیکھا کہ ان کے دونوں ہاتھ جسم سے جدا ہو چکے تھے اور ان کا سر شکافتہ تھا۔ بدن ٹکڑے ٹکڑے تھا صدائے گریہ و نالہ اش بلند شد۔ یہ دیکھ کر آپ کے منہ سے بے ساختہ چیخ نکل گئی اور آپ رونے لگے پھر امام عالی مقام زمین پر بیٹھ گئے اور انھوں نے اپنے بھائی کا سر اپنے زانو پر رکھا اور ان کے چہرے کا خون صاف کیا۔ پھر دونوں بھائیوں میں کچھ گفتگو ہوئی۔۔۔ حضرت عباسؑ کی روح پرواز کر گئی تو حضرت امام حسینؑ اٹھے اور انھوں نے ہمارے لشکر پر بھر پور حملہ کیا اور تہس نہس کر ڈالا۔ ہم لوگوں نے پورا پورا مقابلہ کیا آخر میں شکست کھا کر ہم لوگ بھاگ نکلے اسکے بعد امام حسینؑ نہر فرات پر گئے ہم نے یہ سوچتے ہوئے کہ ہمیں حسینؑ پانی نہ

پلیں ان کو پکار کر کہا کہ آپ پانی کے پاس ہیں اور لشکر خیمہ گاہ میں گھس گیا ہے۔ یہ سنتے ہی وہ فوراً خیموں کی طرف دوڑے وہاں پہنچ کر محسوس کیا کہ ہمیں فوج یزید نے دھوکا دیا ہے۔

عبد اللہ ہوازی کہتے ہیں کہ میں نے جب اس واقعہ کو سنا تو خون پھر پھڑپھڑانے لگا اور مجھے اس قدر رنج پہنچا کہ میں اپنے قابو سے باہر ہو گیا اس کے بعد میں نے اسے ایک دوسرے مکان میں بٹھرایا۔ اور کہا کہ تو اس جگہ بیٹھ میں ابھی آتا ہوں۔ یہ کہہ باہر آیا اور ایک دوسرے دروازے سے اپنی شمشیر لے کر داخل ہوا اس نے جب شمشیر برہمنہ میرے ہاتھ میں لکھی تو کہنے لگا کہ جہان کے ساتھ کیا یہ سلوک مناسب ہے؟ میں نے کہا امام حسینؑ بھی تو خود نہ گئے تھے ان کو بھی جہان ہی تم لوگوں نے بلایا تھا۔ پھر ان کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ کیا وہی مناسب تھا جو تم لوگوں نے انھیں جہان بنا کر کیا تھا۔ اس کے بعد میں نے کہا کہ قتل کے علاوہ کوئی اور سزا ممکن ہوئی تو میں تجھے وہی سزا دیتا۔ یہ کہہ کر میں نے تلوار سے اس کا سر اڑا دیا اور اپنے ساتھیوں کی مدد سے اس کی نعش نذر آتش کر کے اس کی خاک ہوا میں اڑا دی۔ (بحوالہ کتاب دارالسلام طبع ایران و کتاب زندگی شہادت ابوالفضل ص ۵۳ ایران)۔

عرق شرم میں کیوں نہ رہے تر پانی پھینکا عباسؑ نے چلو میں اٹھا کر پانی

مجزہ نمبر (۱۵)

ماں کی پاکدامنی پر پیٹ کے بچے نے گواہی دی

سچ کہنا جہاں میں کوئی اندھیر نہیں سقائے سکینہ سادہ برشیر نہیں



شبیہ کے لشکر میں نہ کیوں پیش رہیں عباس کے تو نام میں بھی زیر نہیں  
(بآقر دہلوی)

ایک شخص کو اپنی زوجہ پر شک ہو گیا کہ یہ بچہ جو اس عورت کے پیٹ  
میں ہے اس شخص کا نہیں ہے بلکہ حمل کسی اور شخص کا ہے۔ باہمی نزاع  
نے یہاں تک نوبت پہنچائی کہ مرد اپنی بیوی کو قتل کرنے پر تیار ہو گیا۔ عورت  
نے کہا مجھے اتنی مہلت دو کہ میں روضہ ابوالفضل العباس تک جاؤں۔  
شوہر اس بات پر راضی ہو گیا میاں اور بیوی دونوں روضہ مبارک حضرت  
عباس پر حاضر ہوئے عورت نے بارگاہ ابوالفضل العباس میں دعا کی کہ مولا  
یہ بچہ جو میرے پیٹ میں جنم لے رہا ہے گواہی دے کہ یہ کس شخص کا ہے تاکہ  
میری بے گناہی ثابت ہو سکے۔

دل سے نکلی ہوئی سچی دعا اثر رکھتی ہے۔ دعا بارگاہ ابوالفضل العباس  
میں مستجاب ہوئی پیٹ کے بچہ نے اس مومنہ کی پاکدامنی کی گواہی دی۔  
(صلوٰۃ محمد و آل محمد پر) اور مومنہ باعزت روضہ سے گھر واپس ہوئی۔  
شوہر بہت شرمندہ ہوا۔ اس نے اپنی بیوی سے معافی مانگی اور اس طرح  
جناب عباس نے اس مومنہ کی جان بخشی کرا دی۔ (بحوالہ کتاب زاد السلاطین  
سفر نامہ عراق صفحہ نمبر ۶۲ و سوانح عباس دلاور از آغا تہدی لکھنوی صفحہ ۲۴۹)

معجزہ نمبر (۱۶)

## روضہ عباس جہاں بیمار شفا پاتے ہیں

حضرت عباس کو کب سے پسر کی احتیاج خود شجاعت جنگ میں سینہ سپر ہو جائے گی  
(سید محمد کاظم جاوید)

شہر بمبئی کا واقعہ ہے کہ ایک لکھ بیتی سیٹھ کا لڑکا کسی موذی بیماری میں  
گرفتار ہو گیا۔ اس سیٹھ نے اس لڑکے کے علاج میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔  
سیٹھ کا یہ اکلوتا لڑکا تھا ہر وقت بیٹے کی صحت کے لئے فکر مند رہتا تھا۔ آخر  
بچہ کی بیماری سے مایوس ہو کر گھر میں بیٹھ گیا تو لوگوں نے کہا جہاں تم نے اس  
بچہ کے علاج پر اتنا روپیہ خرچ کیا ہے وہاں اس کو تم ملک عراق میں حضرت  
عباس علیہ السلام فرج حسینؑ کے روضہ پر لے جاؤ اور اپنے ساتھ اس بچہ کو بھی  
لے جاؤ۔ انشاء اللہ یہ بچہ روضہ حضرت عباس پر ضرور صحت یاب ہو جائے  
گا۔ لوگ کہتے ہیں کہ حضرت عباس باب الحوائج ہیں ان کے در پر جو پریشان  
حال اور مصیبت زدہ شخص جاتا ہے یہ اس کی داد رسی ضرور کرتے ہیں۔ سیٹھ  
اپنے بچے کو لیکر فوراً سفر عراق پر روانہ ہو گیا۔ عراق پہنچ کر روضہ حضرت  
عباس پر حاضری دی اور اس بیمار بچہ کو مرقد اطہر کی جالیوں سے باندھ  
کر خود مسافر خانہ میں آکر سو گیا۔ ابھی سوئے ہوئے کچھ ہی دیر ہوئی تھی کہ  
خواب میں کیا دیکھتا ہے کہ ایک دربار لگا ہوا ہے، مولا علیؑ مسند پر تشریف  
فرما ہیں۔ فریادیوں کی درخواست مولائے کائنات کی خدمت حضرت عباس  
پیش کر رہے ہیں۔ جناب امیر علیہ السلام ہر درخواست پر دستخط کرتے جاتے ہیں۔  
آخر میں اس سیٹھ کے لڑکے کی درخواست پیش ہوئی۔ جناب امیر علیہ السلام  
نے کہا اس درخواست کو رہنے دو۔ یہ بہت دیر سے آیا ہے۔ اتنا سنا تھا کہ  
جناب عباس چل گئے اور اپنے بابا مشکل کشا سے عرض کرنے لگے بابا یہ زائر  
اور فریادی میرے روضہ پر آیا ہے۔ اگر ناامید ہو کر چلا گیا تو پھر کون آیا  
کرے گا۔ آپ نے تو میرے دروازے پر باب الحوائج (حاجتوں کا گھر) لکھا  
ہوا ہے۔ اگر لوگوں کی حاجتیں پوری نہ ہوں تو بابا یہاں کون آئے گا۔ یا تو  
اس کی دستخط کر دیجئے یا آپ باب الحوائج کو مٹا دیجئے۔ مولانا نے اس سیٹھ کی



درخواست پر دستخط کر دیے۔ سیٹھ کہتا ہے کہ میری فوراً آنکھ کھل گئی۔  
کیا دیکھتا ہوں کہ میرا لڑکا بالکل تندرست خداموں کے ساتھ مسافر خانہ  
میں کھڑا ہے۔ میں بچے کو لے کر فوراً روضہ مبارک پر حاضر ہوا اور ہم باپ  
بیٹوں نے ضریح مبارک کا طواف کیا اور خوشی خوشی وطن واپس ہوئے۔  
رصلوٰۃ محمد وآل محمد علیہ السلام)۔ (بحوالہ سات معجزے صفحہ نمبر ۵۵، ناشر  
افتخار بکڈپو۔ لاہور)

### معجزہ نمبر (۱۷)

## حضرت عباس علمدار کی حاضری کی منت گونگے کو زبان دیدی

ہم پر نہ چلا زور زمانے میں کسی کا جب نام لیا حضرت عباس علی کا  
محلہ لکڑ منڈی وزیر آباد پنجاب میں اہل سنت والجماعت کا ایک گھر  
عاشق آل محمد علیہ السلام تھا اس گھر ان میں ایک جوان لڑکا اعجاز عرف  
پھالی کی زبان تشدد کی وجہ سے گونگی ہو گئی تھی۔ جس کی وجہ سے وہ اتنا  
سے بات چیت کرتا تھا۔ اس کے گھر والوں نے اعجاز کو ساتھ لے کر امام بارگاہ  
قاضی غالب علی شاہ (وزیر آباد) جا کر منت مانی کہ اس نوجوان کی زبان  
ٹھیک ہو جائے اور یہ گفتگو کرنے لگے تو ہم لوگ اس امام بارگاہ کی حاضری  
کریں گے۔ مورخہ الحرم الحرم ۱۹۸۲ء کو اعجاز عرف پھالی کی زبان اچانک  
نعرہ حیدری یا علی مارنے سے بالکل درست ہو گئی پھر کیا تھا ان لوگوں نے  
پورے محلہ میں مٹھائیاں تقسیم کیں اور اعجاز عرف پھالی نے مذہب حق کو  
قبول کر لیا۔ (بحوالہ پندرہ روزہ عمران لاہور ۵ دسمبر ۱۹۸۲ء شمارہ ۵)

### معجزہ نمبر (۱۸)

## لکھنؤ یو۔ پی میں درگاہ حضرت عباس کی معجزاتی تعمیر

نہ لشکرے نہ سپاہے نہ کثرت الناسے      نہ قاسمے نہ علی اکبرے نہ عباسے  
قدیم لکھنؤ کے غریب حصہ میں ایک محلہ ہے جس کا نام رستم نگر ہے یہاں  
پر ایک مقدس عمارت ہے جو درگاہ حضرت عباس علیہ السلام کے نام نامی اسم گرامی سے  
منسوب ہے۔ شیعہ دنیا کے بیشتر افراد لکھنؤ پہنچنے پر یہاں کی زیارت کو جانا  
اپنا فخر سمجھتے ہیں۔

اس عمارت کی بنیاد مرزا فقیر بیگ نے اس دور میں رکھی تھی جب  
نواب مرزا یحییٰ خاں عرف مرزا امانی طقب بہ نواب آصف الدولہ نہر بہ جنگ  
فیض آباد چھوڑ کر گوتمی کے کنارے ٹھہرے ہوئے تھے۔ اور لکھنؤ شہر کی  
دراغ ہیل ڈالی جا رہی تھی۔ نواب کاسن جلوس ۱۱۸۸ھ اور تاریخ وفات  
۲۸ ربیع الاول ۱۲۱۲ھ ہے اس مقدس اور تبرک درگاہ کی شہرت اور  
مقبولیت کا راز ایک "علم" کی وجہ سے ہے جس کو لوگ حضرت عباس علمدار  
کے علم کی شبیہ کہتے ہیں اس علم مبارک کے کراماتی فیض سے ہزاروں آدمیوں  
نے استفادہ حاصل کیا ہے۔ غیر شیعہ واقعہ نگاروں نے اس درگاہ اور علم  
کی مقبولیت کے لئے دو قول تحریر کئے ہیں۔

پہلا واقعہ اس طرح ہے کہ ایک درویش تعزیت حسین بقول عبد اللطیف  
لوہانی خالص پوری علم مبارک ملک شام عرب سے لیکر آئے اور اس کو اس  
درگاہ میں نصب کیا۔ شہر لکھنؤ کے جذب و کمال نے ایک مقدس زیارت  
گاہ بنا دیا۔ بعض اہل قلم کہتے ہیں کہ اس زمین پر ایک نادار تید افلاس  
کی زندگی بسر کر رہا تھا اس کو خواب کے ذریعہ بشارت ہوئی کہ اس جگہ پر زمین



علم مبارک حضرت عباسؓ ہے۔ اس سید نے اس جگہ کی کھدائی کی تو حسبِ شدت زمین سے علم مبارک کا پنجہ برآمد ہوا۔ جس کا وزن ۱۳ سیر کا تھا پھر اس پنجہ کو علم میں نصب کر کے اس عمارت میں لگا دیا گیا جو بعد میں لوگوں کیلئے معجزات کرامات منت اور مرادوں کے لئے مقدس درگاہ بن گئی۔

## معجزاتی علم کے لئے معتبر روایت

یوروپین خاتون لیڈی برجٹینا نمبر ماؤس آف لارڈس انگلینڈ جنھوں نے نواب مصلح الدولہ حاجی میر حسن علی شاہ مرحوم سے بعد نواب سعادت علیخان مرحوم میں عقد کر لیا تھا۔ اس کے بعد اس معزز خاتون نے ۱۲ سال ہندوستان میں قیام کر کے یہاں کے حالات پر ایک کتاب لکھی۔ جس کا نام "ابزر ویشن آن دی مسلمان آف انڈیا" از مس حسن علی۔

(OBSERVATION ON THE MUSLIMAN OF INDIA)

(اردو ترجمہ) اس کتاب میں تحریر فرماتی ہیں کہ عہدِ نوابی ایک پاک اعتقاد مومن حج بیت اللہ کے لئے گھر سے چلے۔ مناسکِ حج ادا کرتے ہوئے خواب دیکھا کہ ایک بزرگ نورانی صورت تشریف لائے ہیں اور حکم دیتے ہیں کہ سمتِ واپسی براہِ عراق کرنا اور عربستان کے فلاں مقام پر جو علم زیر زمین پوشیدہ ہے اس کو اپنے ساتھ ہندوستان لیتے جانا تعمیل حکم ہوئی اور جس مقام پر خواب میں رہنمائی ہوئی تھی۔ وہاں سے کھود کر علم نکالا۔ لکھنؤ واپس ہوئے علم کے پہنچنے پر ان کے گھر سے ایک روشنی نمایاں ہوئی جس کے قریب جوآر میں ایک شور کر دیا اور اس روشنی کی شہرت دور دور تک ہو گئی۔ اس روشنی نے اس گھر کو منور کر دیا۔ جس کی اطلاع فرمانروائے شہر کو ہوئی۔ اور حاجی صاحب کو باعزاز و اکرام قصر حکومت میں طلب کیا گیا۔ روشنی کا

سبب دریافت کیا گیا۔ حاجی صاحب نے تمام واقعات بیان کیا۔ نوعیت و اقدار معلوم ہونے پر طے پایا کہ درگاہ کی عمارت تعمیر کی جائے اور پھر اس بشارتی علم کو اس عمارت میں نصب کر دیا جائے۔ علمائے کرام کے مشورہ سے عالیشان درگاہ بن کر تیار ہوئی اور نواب کے محل سے علم سجا کر جلوس کی شکل میں ستم نگر تک لایا گیا۔ اہل شہر کے جم غفیر میں علم پر سے زرد و جواہر نواب نے نثار کئے اور محتاجوں میں خیرات تقسیم ہوئی جس کی مثال کسی حکومت میں نظر نہ آئے گی۔ زیارت گاہ سے علم نصب ہونے کے بعد انواع و اقسام کی کراماتیں ظاہر ہونا شروع ہو گئیں۔ سال میں صرف ایک بار اس علم کو امام بارگاہ کے صحن درگاہ میں لایا جاتا تو یہ علم خود بخود آسمان کی طرف اٹھنے لگتا اور اس علم کو جو اٹھائے ہوئے ہوتا اس کے پیر زمین سے اٹھنے لگتے۔

حضرت عباسؓ کی درگاہ اور علم سے نوابین اور دھکی والہاؤاؤاؤا رہی ہے۔ نواب سعادت علیخان نے مرادمانی کہ ان کو ان کا آبائی منصب مل جائے تو وہ اس روضہ کی شبیہ کے گنبد کو طلائی کروادیں گے۔ مراد پوری ہوئی۔ نواب نے گنبد کو طلائی کروادیا۔ اس طرح جو نواب بھی تخت حکومت پر بیٹھتا وہ یہاں آنا اپنا فرض سمجھتا۔

غدر ۱۸۵۷ء میں شہر لٹا اور معتبر ترین بیانات یہ ہیں کہ یہ علم اندر درگاہ سے شہوت کے درخت تک جو صحن حرم میں تھا آتے ہوئے وہاں موجود لوگوں نے دیکھا پھر اس معجزاتی علم کا کہیں پتہ نہ چل سکا امن و امان ہونے پر شرف الدولہ نے ایک ہزار روپیہ انعام مقرر کیا کہ جو شخص اس علم کی نشاندہی کرے گا اس کو انعام دیا جائے گا۔ مگر علم کسی قیمت پر واپس نہ ہوا۔



## علم حضرت عباس کے بیخبر محمدؐ خود بخود تحریر ہو گیا

خاک اڑاتی ہوئی جنگل سے ہوا آتی ہے ہائے عباس کی دریا سے صدا آتی ہے  
سید احسن کمال سابق منبر الواعظ درگاہ حضرت عباس واقع رستم نگر  
لکھنؤ ۲ مارچ ۱۹۲۵ء مطابق ریح الآخر ۱۳۴۶ھ کا واقعہ اپنے ایک مراسلہ  
میں مندرجہ بالا درگاہ اور اس سے متعلق علم کی کمالات پر اشارہ کرتے ہیں  
کہ لکھنؤ میں متعدد امام باڑوں کے علموں کے بیخبر پر سے شبہ نہیں نظر آنے  
کی خبریں آرہی ہیں۔ چنانچہ اس دوران مندرجہ بالا تاریخ کو مجھے اطلاع  
 ملی کہ درگاہ حضرت عباس علیہ السلام میں دفعتاً علم کے بیخبر سیاہ ہو گئے ہیں۔  
خبر ملتے ہی میں ۷ بجے شب کو درگاہ پہنچ گیا۔ جس وقت درگاہ کے پھاٹک  
پر پہنچا تو میرا دل زور زور سے لرزنے لگا۔ ہاتھ پاؤں اچھی طرح قابو میں  
نہ تھے۔ ایک رعب تھا جو مجھ پر طاری تھا۔ میں ڈرتے ڈرتے صحن اقدس  
میں گیا اور تقریباً چھ سات کے فاصلہ سے دیکھنا شروع کیا۔ روضہ میں  
سب علم چاندی کے ہیں اور بہت صاف ہیں۔ لیکن اس وقت ایک علم جو  
کہ ادھ گز کا ہو گا اس کا بہت زیادہ حصہ سیاہ تھا۔ میں بغور دیکھتا رہا  
میرے دیکھتے دیکھتے اس کی سیاہی میں برابر اضافہ ہوتا گیا یہاں تک کہ  
پورا علم سیاہ ہو گیا۔ صرف اوپر کے حصہ میں ایک ذرا سی سفیدی باقی رہ گئی  
تھی۔ اس کے پہلو میں جو بالکل ویسا ہی دوسرا علم تھا مگر وہ بہت صاف  
تھا اس پر پہلے سے کوئی علامت یا نشان نہ تھا۔ یکا یک اس علم پر بہت  
واضح اور صاف طریقہ پر لفظ ”محمدؐ“ نمودار ہوا جسے اس وقت کے تقریباً  
تمام حاضرین نے بغور دیکھا۔ یہ کیفیت تقریباً پندرہ بیس منٹ تک برقرار

رہی اور لوگ بہت اچھی طرح بغیر کسی مدد اور بغیر بتائے ہوئے دیکھا گئے۔  
بھائیوں علم کی سیاہی ایک طرف تو پیام غم و سوگوازی کو ظاہر کرتی ہے  
اور دوسری طرف غصہ اور جلال کی علامت ہے۔ جو ہونا تعجب نہیں ہے۔  
اس وقت جب یہ معجزہ ظہور پذیر ہوا تھا تو قوم افتراق و انشقاق کا شکار  
تھی۔ ”محمدؐ“ کے مبارک لفظ کا علم پر نمودار ہونا بتاتا ہے کہ تم امت محمدی  
کے پر وانی ہو جو دنیا میں صلح و آشتی اور خیر کے لئے آیا ہے۔ لیکن تم لوگوں  
نے محمدؐ کی تعلیم بھلا دی ہے۔

## روضہ حضرت عباسؑ پر خود بخود دستوں سے گولی چل گئی

یاعلیٰ عباسؑ غازی صاحب تاج و سریر سب کے تم مشکاکشا ہو کیا غریب کیا امیر  
نظارہ لکھنؤ کے نامہ نگار ۱۳۸۶ھ کی اشاعت میں ۱۹۱۷ء روضہ مبارک  
حضرت ابو الفضل العباسؑ پر ہونے والے معجزات کو تحریر فرماتے ہیں کہ نماز  
صبح کے بعد جب میں بارگاہ حضرت عباسؑ علمدار میں حاضری کی غرض سے  
پہنچا تو کفش کن نے مجھے روضہ مبارک میں داخل ہونے سے روکا اور کہا  
حضرت عباسؑ نے ایک شخص کو گولی مار دی ہے۔ جب تک حکام اور پولیس  
نہ آئے اس وقت تک کوئی اندر نہیں جاسکتا۔ ایک گھنٹہ بعد پولیس اور  
ڈاکٹر آئے اور روضہ مبارک میں داخل ہوئے یہاں ان کو ایک عبرتناک  
منظر دیکھنے میں آیا۔ وہ یہ تھا کہ مرقد اطہر کے پاس بالائے منبر ایک شخص دیوار  
سے لگا بیٹھا ہے ایک سفید چادر اس کے جسم کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے  
ہے اور صریح اقدس اور اس شخص کے درمیان ایک چھ کارٹوس والا



ریو الور پڑا ہے۔ لیکن چادر یا زمین وغیرہ پر کوئی دھبہ خون کا نظر نہیں آیا۔ ڈاکٹر نے اس شخص کے جسم سے چادر ہٹائی تو اس کے جسم پر مدہ کی جگہ گونی کا سو ران معلوم ہوا جو چاروں طرف سے سیاہ پڑ گیا تھا۔ اس کی لاش کو الٹا کر کے پشت کی جانب دیکھا تو ادھر بھی گونی پار ہو جانے کا نشان تھا۔ مگر کوئی گولی کہیں نہ ملی نہ جس دیوار سے یہ لگا بیٹھا تھا گولی کا نشان تھا۔ جسم میں ایک لمبی سلانی پاس کر کے دیکھا تو وہ ادھر سے ادھر تک پاس ہو گئی۔ جس پر ڈاکٹر اور پولیس کو یہ شبہ ہوا کہ اس کو دو مری جگہ گولی ماری گئی ہے اور لاش یہاں لاکر رکھ دی گئی ہے۔ لاش کو کئی مرتبہ الٹ پلٹ کر دیکھا۔ مگر ایک قطرہ خون نہیں نکلا بعد میں میت کو صحن اقدس میں لاکے در قبلہ کے سامنے جیسے ہی کیا ایک خون کا دریا جاری ہو گیا۔ جس کے بعد ڈاکٹر اور سپرنٹنڈنٹ پولیس دونوں کی زبانوں سے یہ جملہ نکلا مہذا العباس العباس یہ بیشک حضرت عباسؓ ہی کا معجزہ ہے۔

معجزہ نمبر (۲۱)

## جھوٹے کو فوراً سزا ملی

اس ہی طرح ایک دن ایک اور معجزے سے دو چار ہونا پڑا۔ واقعہ یہ ہے۔ ایک دن نماز مغربین پڑھ کر میں امام حسینؑ کے ایوانِ طلائی کی فصیل پر چہل چراغ کے سامنے اپنے بعض احباب کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شور غوغا سنائی دیا۔ ہم لوگ بھی اس سمت کی طرف دوڑے چند آدمی ایک شخص کو ہاتھوں میں میت کی طرح اٹھائے ہوئے لا رہے ہیں اور پیچھے پیچھے ایک مجمع کثیر ہے جن کی زبان پر یہ جملہ جاری ابو الفضل العباسؑ

سیلی زدند“ ہم نے دیکھا کہ اس کا منہ داہنی جانب گھوم گیا اور منہ سے رال جاری ہے اور کوئی لفظ زبان سے نہیں نکل رہا ہے جو کچھ کہنا چاہتا ہے کہنے پر قادر نہیں ہے لانے والوں نے اسکی شال کو کمر سے کھول کے ایک سر اس کی گردن میں باندھا اور ایک سر اصریح اقدس امام منقولہ میں باندھ دیا اور اصریح کے پاس لٹا دیا۔ تقریباً ایک گھنٹہ اسکی زبان سے صرف اتنا نکلا کہ ”برسان نزد عباسؓ“ لوگ روئے عباسؓ میں فوراً اس کو لے گئے اور پھر اس شخص کو یہاں بھی اسی طرح باندھ دیا۔ جب اس کو کچھ دیر کے بعد ہوش آیا تو اس نے بیان کیا کہ میں نے اصریح کے پاس جھوٹی قسم کھانے کا ارادہ کیا تھا کہ مجھے معلوم ہوا کہ میرے رخسار پر ایک ہتھوڑا پڑا اور میں زمین سے تقریباً گھر اوچھل کر اوندھے منہ گر پڑا اس کے بعد مجھے دنیا و مافیہا کی خبر نہ تھی۔ اس عالم بہوشی میں میں نے ایک آواز سنی کہ جاہم نے عباسؓ سے تیری سفارش کر دی ہے وہ تیری خطا معاف کر دیں گے۔ اس وقت میں اتنا کہہ سکا کہ مجھے خدا نے حضرت عباسؓ میں لے چلو یہ اعجاز دونوں بھائیوں کے اقتدار پر گواہ ہے۔

(تیسرا معجزہ)

معجزہ نمبر (۲۲)

روضہ عباسؓ پر لٹکی ہوئی تلوار ایک سید زادہ کے پاس آ کر خود گرمی واہ کیا اور ج تھا اس فوج کا کیا جاہ و حشم ہاتھ میں حضرت عباسؓ کے لشکر کا علم (کامل نکھنوی)

ایک نوجوان سید نے ایک بزرگ سید کی دختر سے عقد کا پیغام دیا ان بزرگ سید نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ میری لڑکی نجیب الطرفین سید ہے



اس کے کفو نہیں ہو سکے اس لئے میں یہ رشتہ منظور کرنے سے معذور ہوں۔  
یہ نوجوان خود بھی نجیب الطرفین تھا۔ اس کے دل پر اس جو آ  
سے سخت چوٹ لگی۔ افسردہ و غمگین روضۃ ابو الفضل العباس پر حاضر  
ہو کر ضریح اقدس سے لپٹ کر زار و قطار رونے لگا اور التجا کرنے لگا کہ  
مولا اگر واقعی میں سید نجیب الطرفین نہیں ہوں تو مجھ کو ہدایت فرمادیجئے  
تاکہ میں آئندہ کسی نجیب الطرفین سید کی خواہش نہ کروں اور اگر میں  
سید نجیب الطرفین ہوں تو مجھے کوئی سند مرحمت ہو۔ جب اس کی گریہ  
وزاری حد سے تجاوز کر گئی تو گنبد روضہ کے بالائی حصہ سے ایک سبز کپڑا  
کا دو گز لمبا ٹکڑا سر پر آکر گرا جو اس نے فوراً سر پر لپیٹ لیا۔ نیز گنبد  
کے چاروں گوشوں میں کچھ اسلحہ از قسم خنجر و شمشیر وغیرہ لٹکے رہتے ہیں۔  
ان میں سے ایک تلوار از خود اسلحہ سے نکل کر نوجوان کے آگے گری جو اس نے  
اٹھالی۔ خادم نے یہ خیال کر کے کہ شاید اتفاق سے تلوار گری ہے نوجوان سے  
پھین لی۔ تلوار پھر خادم کے ہاتھ سے چھوٹ کے نوجوان کے پاس گری۔  
تین مرتبہ یہی ہوا۔ کلید بردار نے کہا تلوار حضرت نے اسے عطا کی ہے وہ  
اس سے لینے کی کوشش نہ کرے۔ یہ خبر شہر میں آگ کی طرح مشہور ہو گئی۔  
لوگ جمع ہو گئے اور اس کے کپڑے تار تار کر کے تبرک کے طور پر لے گئے۔  
اس طرح لوگ اپنے اپنے گھروں سے کپڑے لاتے اس کو پہناتے اور پھر  
نوح کر لے جاتے۔ اس طرح یہ سلسلہ عشاء کی نماز تک جاری رہا۔

لے کر بلا میں سید لوگ اپنے سر پر سبز یا کالا کپڑا ڈال کر رکھتے ہیں۔

آخری مغل تاجدار بہادر شاہ ظفر نے عباس کی درگاہ پر ہی علم چڑھا دیا  
رو کے کہتے تھے کہ اگر نہیں عباس نہیں اہل مات کوئی خالق کی میرے پاس نہیں  
(مرزا دبیر)

مغلیہ خاندان کے آخری فرمانروا بہادر شاہ ظفر کے شیعہ مشہور ہونے  
میں صاحب یادگار غالب مولانا الطاف حسین حالی نے لکھا ہے کہ جب کہ  
بہادر شاہ ظفر کو دہلی میں بیماری سے کسی طرح آرام نہ ہو تو مرزا حیدر شکوہ  
کی صلاح سے بادشاہ کو "خاک شفاء" دی گئی۔ اس کے بعد بادشاہ صحت مند  
ہو گیا۔ مرزا حیدر شکوہ نے منت مانی تھی کہ بادشاہ کو جب صحت ہو جائے  
گی تو حضرت عباس کی درگاہ پر جو کھنڈر ستم نگر میں واقع ہے علم چڑھاؤں  
گا۔ پروفیسر مسعود حسن رضوی مرزا حیدر شکوہ کے بیان کو نقل کرتے ہوئے  
لکھتے ہیں کہ بادشاہ ظفر نے بیماری کی حالت میں ایک خواب میں خود کو حضرت  
عباس کی درگاہ میں علم چڑھاتے ہوئے دیکھا۔

صحت ہوئی تو ایک سونے کا علم بنا کر مرزا حیدر شکوہ کے بھائی مرزا  
نور الدین کے ہاتھ لکھنؤ بھیجا اور انھوں نے وہاں رستم نگر میں واقع درگاہ  
حضرت عباس پر علم مبارک چڑھایا۔ اور جب مرزا حیدر شکوہ دہلی آئے  
تو خود بادشاہ نے اس خواب کا حال سنایا اور تاکید کی کہ علم چڑھا دیا جائے  
جس کی تعمیل کی گئی۔ اس کے علاوہ مالک رام نے بھی بہادر شاہ ظفر کی  
بیماری کا حال لکھتے ہوئے یہی تحریر کیا ہے اور مرزا غالب کی زبانی لکھا  
کہ حضرت بادشاہ سلامت سوکھ کر کاٹھا ہو گئے تھے۔ رگ رگ کر دو ایک  
باتیں کیں اور ارشاد فرمایا کہ آج ایک عجیب بات ہوئی۔ فجر کی نماز کے



بعد یونہی ذرا میری آنکھ چھپک گئی تو میں نے خواب دیکھا کہ میں حضرت عباسؓ کی درگاہ پر علم چڑھا رہا ہوں اس پر مرزا نور الدین نے عرض کیا کہ جہاں پناہ یہ رویائے صادقہ میں اور اشارہ غیبی ہے۔ اب خواب کو ضرور پورا ہونا چاہیے۔ اور بادشاہ نے صحت یابی کی بعد مرزا نور الدین کے ذریعہ درگاہ حضرت عباسؓ پر علم چڑھوایا۔ یہ حضرت عباسؓ کے علم مبارک کی کرامات تھی کہ بہادر شاہ ظفر صحت یاب ہو گئے اور بعد میں انھوں نے مذہب حقہ (یعنی شیعہ) اختیار کیا۔

بہادر شاہ ظفر کے شیعہ ہونے کے متعلق ریاست رامپور کے کتب خانہ میں فارسی میں ایک کتاب (دستور العمل اودھ) ہے۔ اس کتاب کا نمبر ۲۲۹ ہے اس کتاب میں سلطان العلماء مولانا سید محمد صاحب قبلہ مجتہد لکھنوی کے عرائض اور شاہی احکام چند فتویٰ اور مختلف خطوط ہیں۔ ان خطوط کی سطروں میں دہلی کے آخری فرمانروا بہادر شاہ سراج الدین ظفر اور مرزا غالب کی زندگی کے ایک خاص واقعہ پر روشنی پڑتی ہے۔

خاندان تیموری کے چند شہزادوں نے لکھنؤ آکر شیعہ مذہب اختیار کر لیا تھا۔ ان میں سے بعض شہزادوں نے یہ بھی کہا کہ بادشاہ بھی شیعہ ہو گئے ہیں۔ اور بادشاہ کی طرف سے مہری شفقہ بھی انھوں نے پیش کیا۔ شاہ ابو ظفر بہادر شاہ نے سلطان العلماء سید محمد صاحب مجتہد لکھنؤ کو یہ تحریر لگا کر بھیجی جو ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

”بسم اللہ والمنة کہ حجت ولایۃ اہلبیت علیہم السلام بہ دل اختیار کردم و از کلی اعدائے علی ابن ابی طالب علیہ السلام قطعی تبرہ نمودم و تعمیر امام بارگاہ شروع گردید۔ بعد التماس مجالس تعزیت جناب سید الشہداء علیہ التعمیہ و ثنا زین خواہد پذیر رفت از سعی من و الا تمام من اللہ

مدارج دینیہ کہ بر آن مفصل راسخ ام بہ زبان برخوردار کار کار و الاباب؛ سعادت اطوار مرزا محمد رحید رشکوہ بہادر کہ در این خصوصی راز دار است دریافت خواہد گشت۔ زیادہ برکات“

مہر: سراج الدین ظفر

بہادر شاہ دہلی

(اردو ترجمہ) ”اللہ کا شکر ہے کہ حجت اہلبیت دل سے میں نے اختیار کی۔ اور حضرت علی علیہ السلام کے دشمنوں سے قطعی تبرہ کیا ہے۔ امام بارگاہ کی تعمیر شروع ہو گئی ہے۔ عمارت تمام ہو جانے کے بعد جناب سید الشہداء کی مجالس تعزیت ہو کرے گی۔ میری کوشش ہے کہ انجام اللہ کے ہاتھ ہے۔ مفصل مدارج دین کے جن کے اوپر میں راسخ ہوں۔ مرزا رحید رشکوہ بہادر کی زبانی معلوم ہوں گے وہ اس معاملہ میں راز دار ہیں۔ یہ فارسی تحریر اور اس کا ترجمہ ڈاکٹر عبد القیوم صاحب کی کتاب صفحہ ۱۶۳ پر ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔ یہ کتب لاہور میں مجلس ترقی ادب کے اہتمام سے ۱۹۶۴ء میں طبع ہوئی ہے۔ اس کتاب کا نام ”حالی کی اردو نثر نگاری“ ہے۔

(بحوالہ رضا کار لاہور جون ۱۹۸۱ء تحریر ڈاکٹر خاور بلگرامی کراچی)

مجموعہ نمبر (۲۴)

حضرت عباسؓ نے لڑکے کے کسے ہوئے ہا جوڑنے کے بعد قید لہائی دلدادی

یاعلیٰ عباسؓ غازی صنا تاج و سریر سب تم مشکلا کتا ہو کیا غریب کیا امیر  
(نظیر اکبر آبادی)



جناب اسد ادیب بدایونی ایم۔ اے نامہ نگار "نظارہ" لکھنؤ کے طویل مقالہ تحریر کیا۔ جس میں حضرت عباس علیہ السلام کے ایک معجزہ کا تذکرہ کیا۔ اس معجزہ کو جناب نظیر اکبر آبادی نے خمسہ کے طور پر نظم بھی کیا ہے۔ اس مقالہ کا عنوان "نظیر اکبر آبادی اور مدح اہلبیت ہے جس میں اسد ادیب بدایونی تحریر فرماتے ہیں کہ:-

شہر ارکاٹ ضلع کرناٹک دکن میں ایک ساہوکار رہتا تھا۔ اس کا ایک خوب رو فرزند جوان تھا محرم کا چاند نکلتے ہی یہ لڑکا عزا دار بن جاتا تھا۔ تعزیوں کے ارد گرد طواف کرتا لوگوں اس لڑکے کے باپ سے اس کی شکایت کی باپ نے لوگوں کے کہنے سے غصے میں آکر سخت تہیہ کی کہ عزا خاٹوں میں نہ جایا کرے مگر یہ لڑکا نہ مانا اور برابر عزا خاٹوں میں آکر زیارت اور ماتم داری کے لئے جاتا رہا۔

آخر باپ نے سزا کے طور پر اس کا ہاتھ کاٹ دیا اور ایک تنگ و تاریک کوٹھری میں قید کر دیا۔ خدا کا کرنا وہاں حضرت عباس علیہ السلام نے اعجاز سے تشریف لائے اور آپ جناب نے اپنے اعجاز سے ساہوکار کے اس لڑکے کا ہاتھ حبیب آل محمد کے انعام کے طور پر جوڑ دیا۔ اور قید تنہائی سے رہائی بھی دلائی۔ چنانچہ جب اس لڑکے کے باپ نے اپنے اس لڑکے کو دیکھا تو مع خاندان اور بہت سے دوسرے افراد کے ساتھ ایمان لے آئے اور کر بلا کی زیارت کو کھڑے نکل کھڑے ہوئے۔

(صلوٰۃ محمد و آل محمد علیہ السلام پر)

اس پورے معجزے کا نقشہ نظیر اکبر آبادی نے خمسہ میں اس طرح پیش کیا ہے

(۱) تعزیہ کے سامنے ہو کر مودب سر جھکا  
مور چھل رُو و ضریح پاک پر جھلتا کھڑا

جب علم اٹھتے تو پھر لڑکوں کے ساتھ آنسو بہا  
یا حسین ابن علی کہہ کر علم لیتا اٹھا  
لوگ دیکھ اس کی محبت ہوئے تھے حیران کار

(۲) شام سے آکر وہ قدیلیں جلاتا دم بدم  
تمتھے اور جھاڑ پر شمعیں چڑھاتا دم بدم  
عود سفر رواں میں اگر لاکر گراتا دم بدم  
اہل مجلس کے تئیں شربت پلاتا دم بدم  
سب وہ کرتا تھا غرض جتنا کہ واں تھا کاروبار

(۳) اپنا بیگانہ اسے جا کر بہت سمجھاتا تھا  
پر کسی کا کب کہا خاطر میں اس کی آتا تھا  
رونا اور ماتم ہی کرنا دل کو اس کے بھاتا تھا  
تعزیہ خانوں کی جانب جو وہ دوڑا جاتا تھا  
جس طرح عاشق کسی معشوق کا ہو بے قرار

اس کے بعد باپ نے لڑکے کا ہاتھ کاٹ دیا حضرت عباس علیہ السلام قید خانہ میں آئے اور ہاتھ جوڑ دیا۔ لڑکے نے پوچھا یا حضرت آپ کون ہیں نام تو فرمائیں

(۴) یہ ہمارا ہے نشان اے پاک طینت متقی  
نام کو پوچھے تو ہے گا نام عبّاس علی  
کر بلا کے دشت میں دولت شہادت ملی  
جو ہمیں چاہے ہمارا بھی اسے چاہے ہے جی  
جو ہمارا غم کرے ہم بھی ہیں اس کے غمگسار

صبح کو جب کوٹھری کا در کھلا ہے



(۵) صبح کو اس کو ٹھری کا خود بخود در کھل گیا  
 باپ ماں دیکھیں تو اس کا ہاتھ تن سے جو ملا  
 پوچھا یہ کیا تھا جو کچھ دیکھا تھا اس نے کہہ دیا  
 سنتے ہی دونوں نے پھر تو صدق سے کلمہ پڑھا  
 ہاتھ میں تسبیح لی زنا کو ڈالا اوتار

(۶) الغرض ماں باپ اس پر جان و دل سے تھے فدا  
 لے کے لڑکے کو چلے دل شاد سوئے کر بلا  
 راہ میں کرتے تھے لوگ اس کی زیارت جا بجا  
 جب وہ منزل پر اترتے تھے تو وہاں کے لوگ آ  
 دم بدم کرتے تھے اس پر سیم و زرا پنا نشانہ  
 اس کے بعد ساہوکار کا سارا خاندان زیارت سقائے حرم سے  
 مشرف ہوا اور وہاں پر نذر چڑھائی۔ نظیر کہتے ہیں :-  
 یا علی عبتاں غازی صاحب تاج و سریر  
 سب کے تم مشکل کشا ہو کیا غریب و کیا امیر  
 جان و دل سے اب تمہارے نام کا ہو کر فقیر  
 یہ غلام روسیاء اب جس کو کہتے ہیں نظیر  
 آپ کے فضل و کرم کا یہ بھی ہے امیدوار  
 نظیر اکبر آبادی کی اس شخص کو جس کے کل اسٹی اشعار تھے ۱۹۵۱ء  
 میں ہندوستانی اکیڈمی الہ آباد نے شائع کیا۔

یہ کرامت عظمیٰ آج سے ۴۰ سال پہلے قدیم ہندوستان کی ہے  
 صاحب موسع الغنوم نے اپنی کتاب میں ایسا ہی ایک واقعہ مملکت ایران  
 عباس آباد کا درج کیا ہے۔ جس کو آپ اس ہی کتاب میں پڑھ چکے ہیں

یہ باب الحوائج ہیں یہاں ایک معجزہ کیا ہزاروں معجزے ایک ہی نوعیت  
 کے ہوتے ہی رہتے ہیں۔

معجزہ نمبر (۲۵)

## چلتی ریل گاڑی سے گرنے والا بچہ زندہ بچ گیا

آنسو رواں تھے غیرت الیاس کیلئے شبیر یونیورسٹی کے  
 تقسیم ہند سے پہلے پٹنہ عظیم آباد بہار سے ایک قافلہ بغرض زیارت  
 جناب سید الشہداء علیہ السلام روانہ ہوا۔ ناخبر بہ کاری کی وجہ سے اس  
 تیز رفتار گاڑی سے ایک عورت کی گود سے کھڑکی کے ذریعہ ایک بچہ ڈبے  
 کے باہر گر گیا۔ بچہ کا گرنے کا تھا کہ سارے ڈبے میں ایک کہرام مچ گیا۔ ناامید  
 اور مایوسی کے عالم میں جب اسٹیشن آیا۔ ڈبے سے لوگ قانونی کارروائی  
 کے لئے اترے تو کیا دیکھتے ہیں کہ اسٹیشن پر ایک شخص اس ہی بچہ کو گود  
 میں لئے ٹہل رہا ہے لوگوں نے اس آدمی کو غور سے دیکھا تو وہ قریب آیا  
 اور بچہ کو دے کر ایک سمت کی طرف چلا گیا۔ (صلوٰۃ محمد و آل محمد پر)

(کچھالہ کتاب سوانح حیات حضرت عباس از آقا ہمدی کھنوی صفحہ نمبر ۲۵۴)  
 بھائیو! اس پر تعجب کی کوئی بات نہیں۔ یہ سب تو تفسیر ہے۔ رجز کے  
 اس مصرعہ کی جس میں قسم کھا کر فرمایا ہے کہ واللہ ابد تک دین کی نصرت کرتا  
 رہوں گا اگر بچہ ضائع ہو جاتا تو اس طرح (۱) ایک بے گناہ کی جان جاتی۔  
 ماں باپ کی ایک نسل قطع ہو جاتی۔ (۲) شوق زیارت گھٹتا (۳) عقیدہ کی  
 کڑیاں ٹوٹتیں۔ (۴) مات شہداء کا یقین اور قرآن کریم کی آیت "بل احياء"  
 غلط ہو جاتی۔ (۵) خود مولا کا وعدہ غلط ہوتا۔ (۶) بچہ جو چوٹ کھا کر مر جاتا  
 اس کی لاش کیا ہوتی۔ اس لئے بچہ کا محفوظ رہنا لازم تھا انہی خدمات سے



مصرفت الہی ہوتی۔

ہم پر تو مومنین کی مدد ضروری ہے (اہلبیت) یہ واقعہ اپنے اندر ایک روشن پہلو یہ بھی رکھتا ہے کہ بچہ کا نام گھر سے نکلنے کے بعد زائرین کی تہنیت میں طرح زائرہ کے اطفال بھی زائر اور زائر کے لئے امام محمد باقر کا وعدہ ہے کہ ہمارے شیعوں کو زیارت سید الشہداء کا حکم دو۔ زیارت حسین کسی عمارت میں دب کر مرنے اور آگ لگنے، غرق ہونے اور درندوں کا لقمہ ہونے سے بچاتی ہے۔ چلتی گاڑی سے بچے کا گناہ حدیث کے اصل لفظ تدخ الہدم کے بموجب حفاظت کی ضامن ہے۔ اہل حرم کی گودیاں خالی ہوں مگر انھیں یہ مطلوب نہیں ہے کہ زائرہ کی آغوش سے اس کا بچہ جدا ہو۔

معجزہ نمبر (۲۶)

## حضرت عباس نے ڈوبے ہوئے جہاز کو بچا لیا

سر پیٹ کے کہتی تھی جو یہ ہائے چچا جان لاشے سے بھی آتی تھی صد ہائے سکینہ (راجہ محمد امیر احمد)

ابو اطلیل مولانا سید راحت حسین صاحب بھنگپوری ۱۳۳۲ھ میں پہلے پہل بغرض زیارت عراق گئے۔ زیارت سید الشہداء سے مشرف ہونے کے بعد وطن واپسی کا حال ان کی زبان سے سنئے۔

راستہ میں جہاز سمندر کے ایک خوفناک طوفان میں پھنس گیا۔ ہر چار طرف پانی کا سمندر میں تلاطم مچا ہوا تھا۔ جہاز کے ناخذانے تمام درجوں، کھرہ کیوں کو بند کرنے کی تاکید کی۔ ایسا لگتا تھا کہ کسی بھی لمحہ جہاز پانی میں ڈوب جائے گا۔ ناخذانے کہا کہ اب اللہ اللہ کرو جن کی زیارت کو تم لوگ گئے تھے ان کو پکارو۔ میں نے ایسا زبردست طوفان زندگی میں نہیں دیکھا

یہ طوفانی رات کیسی گذری کچھ بتایا نہیں جاسکتا۔

مولوی صاحب ارشاد فرماتے ہیں کہ کچھ لوگ نوحہ و ماتم یا حسین مظلوم یا ابو الفضل العباس کہہ رہے تھے اور کچھ ماتم کرتے کرتے سو گئے۔

اس سفر میں ہمارے ہم سفر سرکار ناصر الملتہ کے برادر زادہ حکیم سید ساجد حسین ساجد کھنوی، محمد میاں اور نواب حشمت علی خاں رئیس حیدرآباد دکن بھی تھے۔ صبح کے وقت عرشہ سے نواب حشمت علی خاں روتے ہوئے

نیچے آئے اور رات کو سوتے میں جو انھوں نے خواب دیکھا تھا اس کو بیان کرنے لگے یہاں پر پہلے ہی سے محمد میاں ملازم خاص سرکار ناصر الملتہ بھی رو رو کر اپنا خواب بیان کر رہے تھے۔ دونوں کے خواب کا مضمون ایک

ہی تھا کہ وقت سحر یہ دیکھا کہ حضرت عباس نیزہ لئے ہوئے سمندر پر گھوڑا دوڑاتے ہوئے تشریف لائے اور جہاز کو اپنے نیزہ سے غرق ہونے سے روک لیا اور فرمایا کہ تم لوگ پریشان نہ ہو غم نہ کرو جہاز اس تلاطم سے

بچ گیا۔ یہ خواب سن کر تمام زائرین نے شکرانہ کی نماز ادا کی۔ مجلس حسین اس جہاز میں منعقد ہوئی اور جہاز اس ہی دن صبح و سالم کراچی کی بندرگاہ سے لگ گیا۔ ہم لوگ جہاز سے اترے۔ دوسرے دن غلام حسین خاقدینا

حال میں سیٹھ نور محمد لال جی ملک التجار کی صدارت میں ایک جلسہ کا اہتمام کیا گیا اس جلسہ میں جناب ابو الخلیل مولوی سید راحت حسین صاحب بھنگپوری نے ایک پڑاؤ پر در و سفر عراق و کرامات عباسیہ پر لکچر دیا جس نے حاضرین

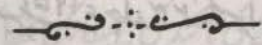
کے دلوں پر ایک قیامت برپا کر دی۔ ذوالخوار اخبار نظارہ ابو الفضل العباس نمبر کھنوی ۱۲ ستمبر ۱۹۵۳ء جلد ۲۴۔ نمبر ۱۔ ۲ صفحہ ۲۲۔ ۲۳۔ ۲۴۔ ۲۵



## ہندو بننے کی آنکھ ٹھیک ہو گئی

حل کیجئے مشکل میری اب دیر تم ہے عباس علی تم کو سکینہ کی قسم ہے  
عالمجناب آغا ہمدی صاحب لکھنوی اپنی مشہور زمانہ کتاب "العبد  
الصالح مسمیٰ بہ سوانح حضرت عباس دلاور" صفحہ ۲۴۹ میں اعظم گڑھ (یوپی)  
کا ایک واقعہ جو حضرت عباس کے معجزہ سے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ یہاں  
حضرت عباس کی ایک درگاہ تھی۔ اس ہی علاقے کے ایک ہندو کی آنکھ  
جاتی رہی۔ کچھ عرصہ بعد دوسری آنکھ پر بھی بصارت باقی نہ رہنے کی  
کیفیت طاری ہوئی اس نے لوگوں سے کہا کہ مجھے عباس بابا کی درگاہ پر  
لے چلو۔ لوگ اس کو درگاہ پر لے آئے۔ اس ہندو نے درگاہ کے دروازے  
پر بیٹھ کر داد فریاد کی اور یہاں کی خاک اپنی آنکھوں پر لگائی۔ کچھ دیر بعد  
اس شخص کی آنکھ ٹھیک ہو گئی اور اس نے اعتراف کیا کہ جتنی روشنی  
دونوں آنکھوں میں تھی اتنی تو روشنی صرف ایک آنکھ میں ہے۔

بھائیو! آنکھ کا نور پلٹانا حضرت عیسیٰ کا معجزہ تھا جس کو مسیح کہلاتے  
تیرہ سو برس بعد دنیا کے سامنے پیش کیا۔ یہ صرف فرق عیسیٰ اور  
عباس میں ہے کہ عیسیٰ جس مریض پر ہاتھ پھیرتے تھے تندرست ہو جاتا  
تھا۔ اور عباس کی منسوب بارگاہ شفا بخش رہی ہے۔ وہ عین اللہ کے  
نسرزند ہیں۔



## کانپور میں واقع محلہ گوٹولی کربلا کا ایک حیرت انگیز معجزہ

اس تشنہ لب کی پیاس پر صدیوں حیات قوم  
سقا تھا جس کا شیر نیستان کربلا (حجم آفندی)  
سید غیور حسین نقوی مقیم امام بارگاہ ام البنین حسن کالونی کراچی نے  
بھی سقائے سکینہ علما و فوج حسینی کا تقسیم ہند سے پہلے کا ایک اعجاز بیان  
فرمایا کہ کانپور محلہ گوٹولی میں ایک مشہور نوابوں کی بنوائی ہوئی کربلا ہے  
یہاں شہر کے تمام تعزیرے یوم عاشورہ اور چہلم امام عالم مقام کے موقع پر دفن  
ہوتے تھے اور آج کل بھی ہوتے ہیں یہ کانپور شہر کی مشہور کربلا ہے۔ اس کے  
اطراف میں مسلمانوں کے گھرانے آباد تھے جس میں کچھ اہلسنت والجماعت سے  
تعلق رکھنے والے حضرات بھی تھے۔ اس میں کچھ گھرانے دھوبیوں کے بھی  
تھے۔ ان میں سے کچھ گھرانے کٹر وہابیوں کے تھے جو اپنے بچوں کو امام بارگاہ  
جانے مجلس اور تعزیرہ وغیرہ کے جلوسوں میں شرکت تک کرنے سے منع کرتا  
تھا۔ اگر کوئی بچہ چوری چھپتے مجلس و امام بارگاہ میں آجاتا تھا تو دھوبی اس  
بچہ کو بہت مارتا تھا۔ ایک دن دوپہر کا وقت تھا محلہ کے کچھ بچے جس میں  
اس دھوبی کا بچہ بھی شامل تھا کھیلنے ہوئے امام بارگاہ میں آگئے اور اسکے  
صحن میں لگے ہوئے بیر کی درخت سے بیر توڑنے لگے۔ ناگاہ کیا دیکھتے  
ہیں کہ ایک گھوڑے سوار منہ پر نقاب ڈالے امام باڑے کے اندر سے صحن کی  
طرف آرہا ہے۔ سارے بچے ایک دم سے ڈر گئے اور امام بارگاہ کی دیوار  
پھاند کر باہر بھاگ گئے لیکن دھوبی کا لڑکا ایک چرخ مار کر بے ہوش ہو گیا  
سارے لڑکے شور مچانے لگے۔ اس دھوبی کے گھر گئے اور جا کر کہا کہ تمہارے



بچے کو ایک نقاب پوش گھوڑے سوار نے اما باڑے کے صحن میں کچل دیا ہے۔ جس کی وجہ سے اس کی ایک زبردست چیخ نکلی اور وہ وہیں پر پڑا ہے۔ ہم لوگ بھاگ آئے ہیں۔ اب کیا تھا سارے دھوبی اور اس محلہ کے دیگر لوگ بھاگتے ہوئے امام باڑے میں آئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ اما باڑے کے اندر سے صحن میں بیری کے پیر تک گھوڑے کے نال کے نشان ہیں جہاں جہاں نال کے نشان تھے۔ اس زمین کی مٹی جل گئی ہے اور لڑکا بیری کے پیر کے نیچے پڑا ہوا تھا۔ لڑکے کی ماں نے اس کو گود میں اٹھالیا لوگ اس کے منہ پر پانی ڈالنے لگے۔ تاکہ اس لڑکے کو ہوش آجائے۔ لیکن وہ اس ہی طرح بیہوش پڑا رہا۔ ناگاہ اس لڑکے نے آنکھ کھولی اور ایک زوردار چیخ ماری۔ مجھ کو بچاؤ وہ دیکھو سامنے گھوڑے سوار جن کے ہاتھ نہیں ہیں گھوڑا میرے اوپر چڑھائے دیتے ہیں۔ اور پھر یہ بچہ بیہوش ہو گیا۔ وہاں موجود ایک بزرگ نے دھوبی سے کہا کہ تو مجلس ماتم، تعزیر اور علم کو بُرا بھلا کہتا ہے جس کو حضرت عباس علمدار برداشت نہیں کر سکے اور تنبیہ کے طور پر اس بچے کو بے ہوش کر دیا ہے اب کیا تھا دھوبی کے ساتھ ساتھ تمام حاضرین نے جناب عباس علیہ السلام سے فریاد کرنا شروع کر دی۔ تھوڑی دیر کے بعد بچے کو ہوش آ گیا۔ ماں خوشی خوشی بچہ کو امام بارگاہ سے گھر لے گئی۔ دھوبی نے معافی مانگی۔ کو آئندہ وہ اس سلسلے میں کچھ نہیں کہے گا۔ اتنی دیر میں سارا شہر وہاں جمع ہو گیا اور گھوڑے کے ٹاپ کے نیچے کی جلی ہوئی مٹی تبرک کے طور پر لے گئے اور بیری کے درخت کے نیچے جہاں چار ٹاپوں کے نشان تھے وہاں آج بھی گرٹھا ہے اور پیر میں ہزاروں منٹی دھاگے بندھے ہوئے ہیں۔ لوگ آج بھی یہاں آکر مرادیں اور منتیں مانگتے ہیں۔ جس کو باب الحواج پوری کرتے ہیں۔

نیپال کی ترائی میں نبی کے لال کا نام، لوگ یہاں حسین کے بھائی  
عباس کے علم کیسافر ولی کا نام کرتے ہیں۔ یہی نام ہی حسین کو قوم شریک سے

عباس کی شجاعت اور جاتی تھی ترب کر بچے بلک بلک کر جب مانگتے تھے پانی  
شری چندرمان پرشاد کا تعلق ہندو مذہب سے تھا جو ہندوستان  
قصبہ پور تحصیل ڈومریا گنج اسٹیشن ضلع بستی (پور پی) کے رہنے والے  
تھے اس قصبہ میں اکثریت شیعہ سادات کی آبادی تھی اور آج کل بھی ہے  
شری جی صاحب علم اور انصاف پسند طبیعت کے مالک تھے۔ علاقہ کی سادا  
برادری سے ان کے گہرے مراسم تھے۔ جس کی وجہ سے اکثر مجالس محافل  
میں ان کی شرکت رہتی تھی جہاں یہ علوم آل محمد سے مستفیض ہوتے رہتے تھے  
طلب سچی ہو تو ہدایت بھی ملتی رہتی ہے۔ صاحبان علم کی صحبت اور دینی کتب  
کے مطالعہ نے ان کے دل میں اسلام و حقانیت اور برتری کو تسلیم کرنے  
کی شمع جل چکی تھی۔ اس ایک واقعہ نے جس کا آگے چل کر بڑی تفصیل  
سے ذکر آئے گا ان کی بالکل ہی کایا پلٹ دی۔

شری چندرمان پرشاد ۱۹۵۵ء میں حکومت نیپال کی جانب سے  
فارمٹ سروے افسر کے عہدے پر فائز تھے اور حکومت کی جانب سے  
علاقہ کے جنگلات کا سروے کر رہے کہ دوران سروے جو واقعہ پیش آیا  
اس کو ان کی زبانی سنئے۔

”ہم کو ہمیشہ سے اہنسا کی راہ دکھانے والے رہبر اعظم ”حسین“ کے  
کارناموں کو سننے اور پڑھنے سے دلچسپی تھی۔ چنانچہ ڈومریا گنج اسٹیشن کے



دوران قیام میں حضرات پلور سے اس معاملے میں کافی امداد ملتی رہی اور ہماری معلومات میں اضافہ ہوتا رہا۔ انھوں نے واقعات کربلا کے متعلق بہت سی ایسی نادر اور نایاب کتابیں مجھ کو عطا کی ہیں کہ میں کبھی بھی ان کے احسان سے سبکدوش نہیں ہو سکتا اور انھیں کتابیں اور پلور شہر کی سالانہ مجالس جو کہ "انجمن گلدرستہ ماتم اور فروغ ماتم" سے منعقد ہوتی تھیں جن کو باہر سے آئے ہوئے مشہور زمانہ جید علماء کرام رونق بخشتے تھے انہی مجالس کی بدولت میں چند شیعہ حضرات سے بھی زیادہ تاریخ کربلا کے متعلق جانتا ہوں اب ایک واقعہ میں سناتا ہوں جو کہ پچھلے سال میری نظروں سے گزرا۔ اور اسی وقت سے میں اور اہنسا کے اس پجاری حسین کا بیرو کار ہو گیا۔

واقعہ یہ ہے کہ ۱۹۲۹ء میں ماہ محرم میں نیپال کے شمالی جنگلوں میں وہاں کی پیمائش کر رہا تھا۔ کیونکہ یہ جنگل ابھی تک ناپا نہیں گیا تھا۔ میں اپنے محلے کے دیگر ساتھیوں کے ٹوڈ (گھوڑے) پر ان پر خط جنگلوں کو پار کرتا ہوا بالکل دوسرے کنارے پر پہنچا۔ میرا راستہ سات دن میں ختم ہوا تھا۔ دوری کا اندازہ اس طرح لگایا جا سکتا ہے کہ ہم لوگ ایک دن میں کم سے کم تیس میل ضرور چل لیتے۔ بہر حال ایک وادی میں کیمپ لگا دیا گیا اور ہم لوگ اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہو گئے۔ اور ہم کو یہ بھی خیال نہ رہا کہ اس پیمے میں انسانیت کے علمبردار اور اہنسا کے موجد حسین کی یاد منائی جاتی ہے۔ ہم لوگوں کا روزانہ کام یہ ہوتا تھا کہ آٹھ بجے صبح تک کھانا وغیرہ کھا کر نکل پڑتے تھے اور تین بجے تک درختوں میں نشان وغیرہ لگا کر واپس آجاتے تھے۔ پانچ دن اسی طرح گزرے اور ہم لوگوں نے کم از کم پچاس میل رقبے کا جنگل سروے کر ڈالا۔ لیکن آج اس جنگل میں کسی آدمی سے ملاقات نہ ہوئی۔ سوائے خونخوار جانوروں، خطرناک سانپوں کے، ساتویں دن صبح

میں منہ ہاتھ دھو کر پیمائش کرنے کی تیاری میں مشغول تھا کہ عجیب مغرب آوازیں اور شور سنائی دیا۔ کیونکہ پہاڑی علاقہ میں آواز بہت دور تک گونجتی ہے۔ ہم کو شبہ ہوا کہ شاید عاشرہ کا دن اور یہ آواز ماتم کی تو نہیں آرہی ہے۔ لیکن پھر خیال آیا کہ سنسان جنگل میں جہاں کہ آدمیوں کی صورت دیکھنے کو نہیں ملتی۔ ماتم کون کرے گا۔

بہر حال جلدی جلدی تھوڑا بہت کام کیا اور اسی آواز کی طرف چل پڑے۔ خیال یہ تھا کہ ادھر پیمائش بھی ختم کر لوں گا اور اس شور کا پتہ بھی لگ جائے گا۔ ہم لوگ برابر چلتے رہے اور شور برابر سنائی دیتا رہا۔ یہاں تک کہ ہم ایسی پہاڑی کے قریب پہنچے جو کہ کافی اونچی نہ تھی۔ اس کو پار کرنے کے بعد ایک میدان نظر آیا۔ جہاں قریب پانچ سو آدمی جنگلی (تھلاڑی قبیلے والے) مصروف گریہ و ماتم تھے۔ اور ان کے ہاتھوں میں چھوٹے چھوٹے علم بھی تھے جو کہ لکھنؤ وغیرہ کے علموں سے مختلف تھے اور ان جنگلی آدمیوں میں سے کچھ کے ہاتھوں میں لوہے کی مضبوط قرولی (چھری) تھیں جو کسی خاص موقع کے انتظار میں تھے۔ قریب دو بجے کا وقت تھا، ہم لوگ دوری سے ان لوگوں کی حرکت کا مشاہدہ کر رہے تھے کہ ماتم اور زوروں سے ہونے اور حسین حسین، عباس، عباس کی صدا میں تیزی سے بلند ہو، لگیں۔ لفظ حسین اور عباس کے ساتھ کچھ الفاظ اور بھی کہہ رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد کچھ لوگ آگے بڑھے اور ایک بارگی سب کے سب زور زور سے ماتم کرنے کے بعد اسی قرولی (چھری) سے سر پر مارنے لگے۔ اس طرح ان لوگوں پر ایک وجدانی کیفیت طاری ہوئی۔ یہاں تک کہ زخموں سے چور چور ہو کر بیہوشی کی حالت میں زمین پر گرنے لگے اور قریب قریب سو آدمی اسی طرح خون میں ڈوب کر بیہوش ہو کر گر پڑے لقیہ ماتم کرتے ہوئے اپنی



آبادی کی طرف چلے گئے۔ اور یہ لوگ اسی طرح پڑے رہے اور ان کے جسموں سے خون بہتا رہا۔ اب ہم لوگ پریشان تھے کہ کیا کیا جائے انکی آبادی تک جائیں یا واپس اپنے کیمپ میں چلے جائیں۔ ہمارے ساتھی واپس کیمپ آنے پر تیار تھے۔ لیکن میں ان زخمی آدمیوں کے انجام کو دیکھنا چاہتا تھا۔

بڑی دیر بحث کے بعد طے پایا کہ تھوڑی دیر رک کر واپس خیمہ پر چلا جائے گا۔ ابھی مشکل سے دس منٹ بھی نہ گزرے ہونگے کہ گھوڑوں کی ٹاپوں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ گھبرا کر دیکھا تو چند سوار دکھائی دیے جن کے چہرے اتنے نورانی اور درخشاں تھے کہ نظر ڈالنا محال تھا۔ وہ سوار قریب ان لوگوں کے آئے اور ان میں سے تین سوار زمین پر اترے اور ہر شخص کے قریب سے کچھ کہتے ہوئے گزرے اور بقیہ سواروں کے پاس پہنچے۔ ابھی اچھی طرح رُکے بھی نہ تھے کہ سب کے سب یکبارگی اٹھ کھڑے ہوئے اور ان سواروں کے سامنے تعظیم سے جھک گئے۔ میں حیران و ششدر رہ گیا کہ میں یہ کیا دیکھ رہا ہوں اور جیسے ہی میں نے چاہا کہ قدم اٹھا کر آگے بڑھوں کہ وہ گھوڑے سوار روانہ ہو کر نظروں سے غائب ہو گئے اور وہ لوگ جو بیہوش ہو گئے تھے وہ بھی نظروں سے غائب ہونے لگے۔ اب تو مجھ سے نہ رہا گیا اور میں بڑھ کر ان کے پاس پہنچ گیا۔ ان سے دریافت کیا کہ یہ سب کیا دیکھ رہا ہوں۔ اشاروں سے بات چیت ہوئی۔ ان لوگوں نے بظاہر کہا کہ آج کے دن ایک بہت بڑے ہہاتما کا سوگ منایا جا رہا تھا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ آج سارا دن یہ لوگ کچھ کھاتے پیتے نہیں ہیں۔ اور قرولی کے اس ماتم سے آج تک ان کا کوئی آدمی مرا بھی نہیں ہے۔ ان کے مرد اور عورتیں سب کے سب قرولیوں (چھریوں) سے سر پر ضرب مار کر ماتم

کرتے ہوئے بیہوش ہو جاتے ہیں اور ان کے وہی ہہاتما آکر ہر سال ہوش میں لاتے ہیں۔ اسی دن سے ہمارے تمام ساتھی بھی اس عظیم ہستی کا غم منانے لگے جس نے انسانیت کے نام پر ایک بڑی جنگ جیتی ہے اور اس واقعہ کے بعد سے میں قریب قریب اسلام کا پیروکار ہو کر حسین بن گیا ہوں اور ہر شخص کو حسین کا پیغام امن صلح اور حق کے لئے جینا اور حق کے لئے مرنے کی تعلیم دیتا ہوں۔ (بحوالہ لفظی جنتری ۱۹۵۳ء صفحہ نمبر ۱۰۱ اور ماہنامہ صحابہ محرم نمبر ۱)۔

مجززہ نمبر (۳۰)

## مجززہ بہر مججزہ

(ان کا تذکرہ بھی ضروری ہے) امیر لشکر حسین کے معجزات اور کرامات کو سچا کر رہا تھا کہ روزنامہ اخبار جنگ میں مشہور صحافی اور عامل روحانی عالیجناب سردار علی صاحب آبروی صاحب کا مضمون مورخہ ۲۱ جنوری ۱۹۸۳ء جموں ایڈیشن میں شائع ہوا۔ مضمون کیا ہے فیاضی کی روشن مثال۔ فضائل آل محمد علیہ السلام کا ایک ٹھائے مارتا ہوا سمندر ہے۔ بہت پسند آیا۔ دل نے کہا کہ اس کو بھی اس کتاب کی زینت دیدو۔ کیونکہ اس دور میں برادر اہلسنت کی جانب سے ایسا مضمون لکھ دیا جائے تو یہ معجزہ سے کیا کم ہے۔ صاحب آبروی صاحب حیر فرماتے ہیں کہ فرزند رسولؐ امیرنا حضرت امام حسینؑ مدینہ منورہ میں کہیں جا رہے تھے دو پہر کا وقت تیز دھوپ راہ میں ایک خوشنما اور شاداب باغ نظر آیا۔ آپ استراحت کے خیال سے اندر تشریف لے گئے۔ دیکھا کہ ایک نوی ہیکل حبشی غلام کام کاج سے فارغ ہو کر گھنے درخت کے سائے میں پیٹ کی آگ بجھانے بیٹھا ہے۔ ہاتھ میں جو کی ایک سوکھی روٹی ہے اور سامنے



ایک کتا۔

حبشی نے روٹی کا ایک ٹکڑا توڑ کر منہ میں رکھا بھوکے کتے نے لپچائی ہوئی نظروں سے دیکھا حبشی نے دوسرا ٹکڑا کتے کے سامنے ڈال دیا۔ غرض یہی سلسلہ جاری رہا۔ حبشی غلام ایک ٹکڑا خود کھاتا اور دوسرے ٹکڑے سے اپنے ناخواندہ جہان کی تواضع کرتا۔ حضرت امام حسینؑ کو یہ واقعہ دیکھ کر حیرت ہوئی۔ جو کہ ایک سوکھی روٹی تو منہ حبشی غلام ہی کی شکم سیری کے لئے ناکافی تھی لیکن وہ بھی اس نے تنہا نہ کھائی اور ایک کتے کو سہیم و شریک بنا لیا۔

سیدنا امام حسین علیہ السلام نے آگے بڑھ کر حبشی سے پوچھا تم صبح دوپہر تک باغ میں شدید محنت کے بعد خود کیوں بھوکے رہے اور جو کہ ایک روٹی میں کتے کو کیوں شریک کر لیا۔ حبشی نے جواب دیا۔

یہ ایک روٹی یقیناً میرے لئے ناکافی تھی لیکن جب میں کھانے بیٹھا اور کتے نے میری طرف لپچائی ہوئی نظروں سے دیکھا تو میرا دل کڑھا اور میری غیرت گوارا نہ کر سکی کہ میں خود تو کھاؤں اور یہ بے زبان تکتا رہے۔

سیدنا امام حسین علیہ السلام نے پوچھا۔

تمہارے مالک کا نام کیا ہے اور وہ کہاں رہتا ہے؟ حبشی نے اپنے مالک کا نام و نشان بتا دیا۔ حضرت امام حسینؑ نے فرمایا۔ میں ایک ضروری کام سے جا رہا ہوں۔ تم میرا انتظار کرو اور جب تک واپس نہ آؤں کہیں جانا نہیں۔

حبشی نے انتظار کا وعدہ کیا اور حضرت امام حسین علیہ السلام اس باغ کے مالک کے ہاں تشریف لے گئے جو مدینہ منورہ کا ایک معزز شہری تھا اس نے فرزند رسولؐ کی تشریف آوری کو باعثِ فخر و مباہات سمجھا اور عقیدت

و جہان نوازی کے تقاضے پورے کئے۔ قحطوری دیر گفتگو کے بعد حضرت امام حسینؑ نے پوچھا کہ شہر کے باہر مشرقی گوشے میں جو ایک بڑا سا خوشناباغ ہے وہ آپ ہی کی ملکیت ہے، مالک نے عرض کیا "جی ہاں" حضرت امام حسینؑ نے پوچھا اور وہ حبشی غلام جو باغ کی نگہداشت و سیرابی کے لئے متعین ہے کیا آپ ہی کا غلام ہے؟ مالک نے اس بات کا جواب بھی اثبات میں دیا۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا باغ اور غلام دونوں کو خریدنا چاہتا ہوں۔ خریداری کی ضرورت شدید ہے جو قیمت طلب کیجئے ادا کر دو گا۔ فرزند رسولؐ کے حکم کو کون ٹال سکتا تھا اور پھر خریدار بھی وہ جو منہ مانگی قیمت ادا کرنے کو تیار تھا اور جس کی فیاضی سر حبشی کی داستان بچے بچے کی زبان پر تھیں۔ سو دیکھو طے نہ ہوتا۔ مالک کو وہ قیمت مل گئی جو اس کی توقع سے کہیں زیادہ تھی اور حضرت امام حسینؑ نے باغ اور غلام دونوں کو خرید لیا۔ اس کے بعد سیدنا حضرت امام حسینؑ دوبارہ باغ تشریف لائے غلام اپنے کام میں مصروف تھا۔ آپ نے حبشی غلام کو آواز دی وہ قریب آیا تو آپ نے فرمایا۔

"میں تمہارے مالک کے ہاں گیا تھا وہیں سے واپس آ رہا ہوں۔ میں نے تمہیں بھی خرید لیا اور اس باغ کو بھی۔"

حبشی غلام نے اپنے آقا کو ادب سے سلام کیا اور اپنی وفاداری اور خدمت گزار کی یقین دلاتے ہوئے عرض کیا۔ "میں اپنے نئے آقا کا نام معلوم کر سکتا ہوں؟"

حضرت امامؑ نے فرمایا میرا نام حسینؑ ابن علیؑ ہے۔ حبشی غلام نے حضرت امام پاک کا نام کیا سنا کہ دل کی کلی کھل گئی۔ محبوب خدا کے نواسے اور نبی مگر



رسولؐ کے تختِ جگر کی خدمت گزاری سے بڑھ کر دین اور دنیا میں کیا شرف ہو سکتا ہے۔ حبشی نے ادب و عقیدت سے دامنِ عبا کو چوم کر عرض کیا کہ یا فرزندِ رسولؐ آپ کی خدمت گزاری کو میں دنیا میں سرخروئی اور آخرت میں نجات کا ذریعہ بناؤں گا۔ حضرت امامِ پاک نے فرمایا تمہارا پاس شکمِ سیری کے لئے جو کی صرف ایک روٹی تھی اس میں بھی تم نے ایک بے زبان کو شریک کر لیا اور خود بھوکے رہے۔ میں تمہاری اس خدا ترنی اور حمدی سے بہت متاثر ہوا ہوں اور تم کو اللہ کی راہ میں آزاد کر کے یہ باغ تمہیں بطور انعام دے رہا ہوں۔

ایک غریب حبشی غلام، برسوں کی غلامی کے بعد آزادی کا مزہ اور ایک عالیشان قیمتی باغ کی ملکیت! جتنی خوشی بھی ہو کم تھی لیکن اسلام کے چشمہ فیض سے تشنگی بھجانے والے ایک غریب حبشی کی سیرِ حبشی ملاحظہ ہو کہ وہ حضرت امام حسینؑ کے قدموں پر گر کر عرض کرتا ہے۔

”یا ابنِ رسولِ اللہ جس اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے میری غلامی کی زنجیروں کو قطع کیا ہے اور جس اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے آپ نے مجھے آزادی کی نعمت اور اس قیمتی باغ کی ملکیت عطا فرمائی ہے اسی اللہ تعالیٰ کی راہ میں اظہارِ شکر کے طور پر میں اس باغ کو غریب اور مسکین مسلمانوں کی امداد کے لئے وقف کرتا ہوں“۔

جب عشق سکھاتا ہے آدابِ خود آگاہی کھلتے ہیں غلاموں پر اسرارِ شہنشاہی

یہ تھا عباسؑ غازی کے بڑے بھائی حسنِ مجتبیٰ کا کارنامہ جو انسانی دسترس سے باہر ہے یہی وجہ ہے کہ ہم آلِ محمدؐ کے گھرانے کی ہر عطا اور بخشش کو معجزہ اور کریماتِ سبحانہ سمجھ لیتے ہیں جبکہ ہر انسانوں کو اس کی عظمت کا درس دیتے ہیں۔

بڑے امامِ بائے کھارا در میں نبیرِ رسولؐ کے پاس نصبِ علم حضرت عباسؑ سے پانی کی بوندیں ٹپکتی رہیں

۱۹۸۰ء صفر کے مہینہ میں رات کی مجلس کے بعد حاضرین نے دیکھا کہ نبیرِ رسولؐ کے اوپر جو علم حضرت عباسؑ علیہ السلام کے نام نامی ام گرامی سے منسوب ہے اس کے پنجہ پر پانی کی بوندیں نمودار ہیں اور وہ آپس میں مل جاتی ہیں۔ پھر پنجہ سے نیچے چاندی کی لٹکی ہوئی مشک پر آجاتی ہیں۔ اور وہاں سے پھر منبر کے بالائی حصے پر ٹپک جاتی ہیں، پانی کی بوندوں کو دیکھنا تھا کہ سقائے سکینہ کی عاشور والے دن کی بے کسی یاد کر کے لوگوں نے ماتم شروع کر دیا۔ اس معجزے کی اطلاع فوراً شہر میں ہوا کی طرح پھیل گئی۔ پھر کیا تھا۔ ہزار ہا آدمیوں کا سمندر آمد آیا یہ سلسلہ تقریباً ایک مہینہ سے زیادہ رہا۔ لوگ اس پانی کو جمع کر کے اپنے بیماروں کے لئے لے گئے اور مولا عباسؑ نے ان کو شفا دی۔

مہاراجہ گوالیار کی سواری زیرِ سائے علم حضرت عباسؑ علیہ السلام

۱۹۰۵ء میں شہنشاہِ بھارت نے جبکہ وہ پرنس آف ویلز تھے۔ ہندوستان آئے۔ ان کے ساتھ ایک صحافی سیدی SIDNEY LOW بھی تھا اس نے ایک کتاب (AVISION OF INDIA) لکھی تھی اور اس کا دوسرا ایڈیشن ۱۹۰۷ء میں لندن سے شائع ہوا تھا۔ اس کتاب میں اس نے ایک تصویر دی ہے جو کہ ہندوستان کی ریاست گوالیار کے مہاراجہ سندھیا



کے ہاتھی کی ہے۔ ہاتھی کے ہودہ پر دونوں طرف اور پشت پر علم حضرت عباسؓ کے پنجے نصب ہیں تاکہ بہار اجمہر سندھیا علم کے سایہ میں عافیت سے رہے (یہ معجزہ نہیں تو اور کیا ہے) (یہ کتاب سید رضاضوی صاحب (شاہ گنج آگرہ) حال مقیم بہار کالونی جمشید روڈ کے پاس موجود ہے۔)

معجزہ نمبر (۳۴)

علم مبارک حضرت عباسؓ پر شبیہیں نظر آنے لگیں

کربلا ہے جرات انکار سے تسخیر کفر  
کربلا ہے اصل میں بنیاد اسلامی نظام  
(انعامِ درانی)

بحوالہ کتاب ہاگس بے پر حسین کا ماتم صفحہ نمبر ۴۱ میں ایک معجزہ تحریر ہے جس میں چکواں کے گاؤں رینا سیداں کے سید ولایت شاہ کی حویلی پر ایک علم یاد حضرت عباسؓ علمدار نصب ہے۔ ان کی بیٹی نسیم فاطمہ جو اپنے گاؤں میں نیک بی بی کے نام سے موسوم تھی۔ اس نے فروری ۱۹۸۱ء میں اعلان کیا کہ ہمارے گھر پر معجزہ ہونے والا ہے۔ چنانچہ ٹھیک نور و زوالے دن مکان کے اوپر نصب علم مبارک کا پنجہ ایک دم سے سرخ ہو گیا اور اس پنجہ پر مختلف شبیہیں نظر آنے لگیں۔ اب کیا تھا یہ خبر سارے گاؤں میں آگ کی طرح پھیل گئی۔ قرب و جوار کے دیہات ملک کے دوسرے علاقے سے لوگ ہزاروں کی تعداد میں آنے لگے۔ علم آج بھی ولایت علی شاہ کی حویلی پر نصب ہے اور وہ لوگ بھی کافی تعداد میں زندہ ہیں جنہوں نے یہ معجزہ اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔

سب سے پہلے نبی کریم ﷺ کے کلام پر ٹھہرنا  
سب سے پہلے نبی کریم ﷺ کے کلام پر ٹھہرنا  
سب سے پہلے نبی کریم ﷺ کے کلام پر ٹھہرنا

کلام پر ٹھہرنے کی تمنا ہے... لقمہ



نجم البلاغہ

ترجمہ

عالم مفتی

جعفر حسین صاحب قبلہ علی اللہ مقامہ  
ضرور پڑھئے

سائز ۶ × ۱۰ صفحات: ۹۶۰  
ریحین کی خوشنماجلد ہدیہ مجلد: 150

یہ ترجمہ اب تک ہونے والے تمام  
ترجموں میں زیادہ مستند ہے!

نظامی پریس بکڈپو روکوٹوریہ سٹریٹ لکھنؤ  
ملنے کا پتہ:



## فہرست کتب نظامی پریس بک ڈپو لکھنؤ

- قرآن مجید مترجم مولانا سید فرمان علی صاحب قبلہ \_\_\_\_\_ = 150/
- قرآن مجید مترجم مولانا سید مقبول احمد دہلوی \_\_\_\_\_ = 200/
- نہج البلاغہ مترجم علامہ مفتی جعفر حسین صاحب قبلہ \_\_\_\_\_ = 150/
- تحفۃ العوام اضافہ شدہ ایڈیشن \_\_\_\_\_ = 100/
- چودہ ستارے مولانا سید نجم الحسن کراچی \_\_\_\_\_ = 100/
- ہدیۃ الشیعہ آیت اللہ علی مشکینی قم۔ ایران \_\_\_\_\_ = 120/
- معالی السبطين فی احوال الحسن والحسين جلد اول، دوم \_\_\_\_\_ = 260/
- تاریخ ائمہ مولانا سید علی حیدر صاحب قبلہ \_\_\_\_\_ = 120/
- مفتاح الجنان مترجم مولانا اختر عباس صاحب \_\_\_\_\_ = 110/
- بحار الانوار جلد اول تا دہم \_\_\_\_\_ = 855/
- الدمعة الساکبہ جلد اول، دوم \_\_\_\_\_ = 380/
- نعیم الابرار جلد اول تا چہارم \_\_\_\_\_ = 345/
- علل الشرائع از شیخ الصدوق علیہ الرحمہ \_\_\_\_\_ = 200/
- تحفۃ العوام ہندی \_\_\_\_\_ = 100/
- محافل و مجالس چہارہ معصومین \_\_\_\_\_ = 80/
- معجزات حضرت علیؑ \_\_\_\_\_ = 30/
- معجزات حضرت عباسؑ \_\_\_\_\_ = 30/
- اعجاز القرآن \_\_\_\_\_ = 30/
- تعقیبات نماز \_\_\_\_\_ = 30/
- چشمہ مراد \_\_\_\_\_ = 24/
- ریاض القدس جلد اول جلد دوم \_\_\_\_\_ = 375/